حفظ کن تاریخ را پائندہ شو
از نفسہائے رمیدہ زندہ شو — اقبال

اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ

جلد دوم

خلفائے ثلاثہ

شیعہ نقطۂ نظر سے

سنہ ۱۳۷۶ھ، سنہ ۱۹۵۷ء

تالیف

پروفیسر خواجہ محمد لطیف انصاری

ناشر

رضاکار بک ڈپو لاہور
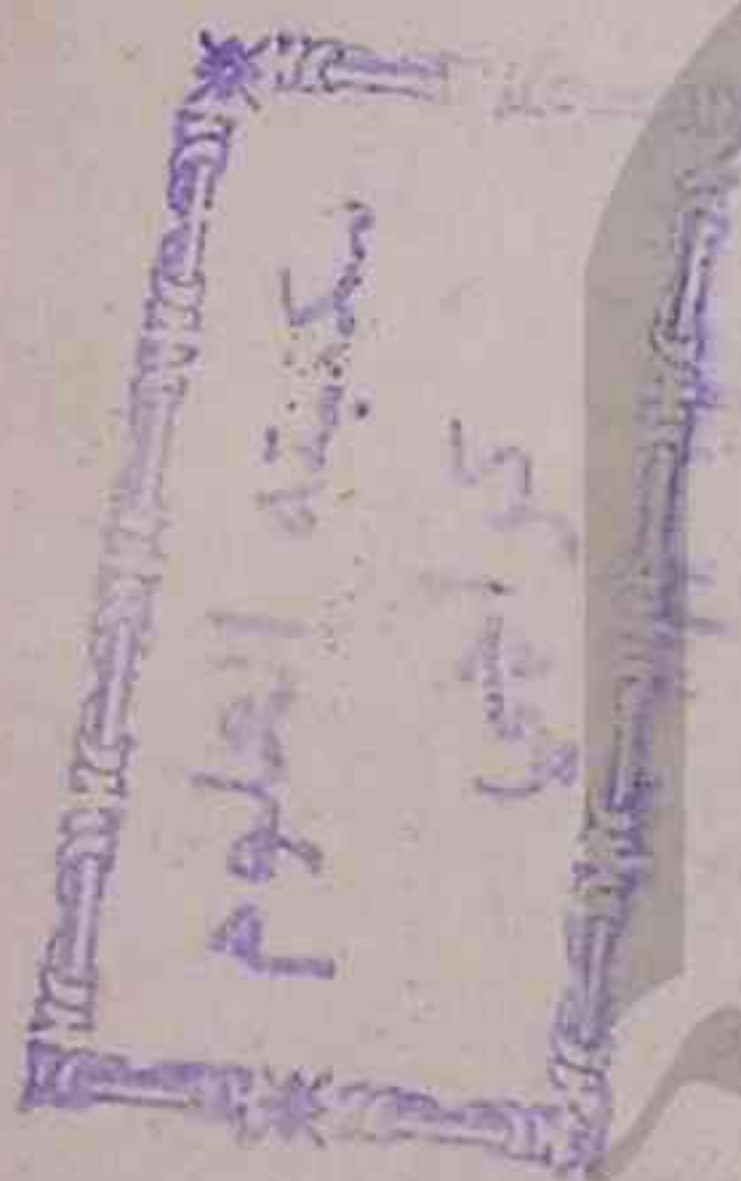
بار .... اوّل

تعداد .... ایک ہزار

مطبع .... کواپریٹیو پریس لاہور

طابع .... شیخ محمد صدیق بی اے

کتابت .... ابو ایاز اصغر قریشی

ناشر .... رضا کار بک ڈپو

قیمت .... تین روپے

ضروری گزارش

مسلمانوں کے کسی فرد یا جماعت کے عمل کی ذمہ داری اسلام پر نہیں عائد ہوتی - اسلامی تعلیم کا نمونہ صرف سرکار رسالت محمد مصطفےٰ ارواحنالہ الفدا کا عمل ہے۔ یا ایسے رہنمایان اسلام کی سیرت جو مذہبی طور پر معصوم مانے جاتے ہوں اور منصوص من اللہ ہوں۔ سرکار رسالتؐ کے بعد عموماً جو مسلمان سلطنتیں قائم ہوئیں ان کے کارپرداز بالاتفاق معصوم نہیں تھے۔ اس لیے ان کے عمل سے اسلامی تعلیم کے متعلق کوئی رائے قائم کرنا زیادتی ہے نیز ایسی سلطنتوں کی تاریخ کو ہم اسلام کی تاریخ نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ اس طرز کی تاریخ دراصل مسلمانوں کی تاریخ ہے۔

محمد لطیف انصاری

عرضِ ناشر

رضا کار بک ڈپو کے مطبوعات کی پیشکش اس لیے قابلِ فخر ہے، کہ ملّت کے صاحبانِ فکر ونظر نے قدر افزائی کی۔

ہم نے ہر کتاب کی طباعت سے پہلے اس کے مواد، ندرتِ اسلوب اور قابلِ توجہ موضوع پر کافی غور کیا، پھر کتابت وطباعت وقیمت میں اپنے پڑھنے والوں کا احترام ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے انتہائی موزونیت کو پیشِ نظر رکھا۔

اس سے پہلے ترجمہ "اصل واصولِ شیعہ" پھر "اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ" جلد اوّل نامی کتابیں شائع کرکے آپ کی ہمت افزائی سے متاثر ہوکر اب پھر اپنے سابقہ اہتمام کے ساتھ جناب پروفیسر خواجہ محمد لطیف صاحب قبلہ انصاری مدظلہ کی دوسری تالیف "اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ" جلد دوم آپ کی نذر کر رہے ہیں۔ یقین ہے کہ خواجہ صاحب قبلہ کی یہ تالیف اور ہماری خدمت اربابِ ملت قدر کی نظر سے دیکھیں گے۔

اگر خدا نے مدد کی تو انشاء اللہ ہم قوم وملت کی عملی خدمت میں چند بیش بہا علمی تخلیقات پیش کرنے میں کامیابی حاصل کریں گے۔

محمد صدیق

مسلمانوں کی تاریخ

(شیعہ نقطۂ نظر سے)

دورِ خلفائے ثلاثہ

(۱)

حضرت ابوبکر

ربیع الاول سنہ ۱۱ھ سے جمادی الثانی سنہ ۱۳ھ تک

جون سنہ ۶۳۲ء — اگست سنہ ۶۳۴ء

تعارف

اس سے پیشتر "اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ" جلد اول زیرِ نظر سلسلہ کی پہلی کڑی شائع ہو چکی ہے جس میں ملکِ عرب کے دورِ جاہلیت کی تاریخ اور عہدِ رسالت کے تمام و کمال حالات درج کیے گئے ہیں۔

"اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ" جلد دوم اس سلسلہ کی دوسری کڑی ہے جس میں وفات رسولؐ کے بعد کے حالات، خلافت کی ابتدا، خلیفۂ اول حضرت ابوبکر کا انتخاب اور ان کے عہد کے حالات — خلیفۂ ثانی حضرت عمر اور خلیفۂ ثالث حضرت عثمان کی تقرری کے واقعات اور ان کے عہد کی فتوحات اور دیگر تمام حالات کی مکمل سرگذشت بیان کی گئی ہے اور کوئی قابلِ ذکر واقعہ ترک نہیں کیا گیا۔

رسولِ اسلامؐ کی وفات کے بعد مسلمان دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ ایک گروہ کا عقیدہ یہ تھا کہ خلیفۂ رسولؐ کی تقرری خدا کی جانب سے ہوتی ہے — دوسرے گروہ کا نظریہ یہ تھا کہ خلیفۂ رسولؐ کی تقرری کا اختیار امت کو دیا گیا ہے۔

فاضل مؤلف نے ہر دو نظریوں پر سیر حاصل تبصرہ فرمایا ہے اور اس ذیل میں شیعہ سنی نظریات کا تقابل بھی کیا ہے نیز شیعہ نقطۂ نظر کی وضاحت فرماتے ہوئے ان تمام غلط فہمیوں کا بھی ازالہ فرمایا ہے جو اس ذیل میں شیعوں کے متعلق پھیلائی گئی ہیں۔

اسلامی نظریۂ خلافت کیا ہے؟ اور اسلام کس طرزِ حکومت کا مؤید ہے۔ اس کی بھی فاضل مؤلف نے پوری وضاحت فرمائی ہے اور اس کی تائید میں

آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی پیش فرمائی ہیں۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام کا نظریۂ حکومت جمہوری نہیں ہے۔ جمہوریت اور اسلام دو متضاد چیزیں ہیں اور آخر میں یہ نتیجہ نکالا ہے کہ:۔

"شیعہ نظریۂ حکومت ہی صحیح اسلامی نظریۂ حکومت ہے" ۔ اور پھر اُن تمام خرابیوں کو گنوایا ہے جو اس صحیح اسلامی نظریۂ حکومت کو ترک کرنے کے باعث معرضِ وجود میں آئیں اور جن کے نتیجہ میں ملوکیت کی داغ بیل پڑی اور پھر مسلمانوں میں ملوکیت رائج ہوجانے کی وجہ سے حقیقی تاجدارانِ اسلام کو کن مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا پڑا اور اسلام کی صورت کیونکر مسخ ہوئی؛۔

غرضیکہ زیرِ نظر دوسری جلد کے مطالعہ سے آپ پر یہ تمام حقائق آشکار ہو جائیں گے۔ یقین ہے کہ یہ پیش کش شیعہ طلباء و طالبات کے لیے سودمند ثابت ہوگی۔ اسی طرح تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے عام حلقوں کو بھی فائدہ پہنچائے گی۔

(صدیق)

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر	
۱	پہلا باب۔ مسلمانوں کے دو فکری حلقے، الٰہی حاکمیت اور انسانی حاکمیت۔	۱۱
۲	دوسرا باب۔ جمہوریت اور اسلام	۲۳
۳	تیسرا باب۔ جمہوریت عقل وتدبر کی روشنی میں	۳۷
۴	چوتھا باب۔ مفہوم خلافت	۴۶
۵	پانچواں باب۔ حضرت ابوبکر خلیفۃ المسلمین کا دورِ سلطنت	۵۵
۶	چھٹا باب۔ قضیۂ بیعت حضرت ابی بکر	۸۷
۷	ساتواں باب۔ سلطنت اور حضرت علیؑ کے امتیازی حقوق	۹۷
۸	آٹھواں باب۔ حضرت سعد بن عبادہ، انصار کے نمائندہ کی خصوصیات	۱۱۰
۹	نواں باب۔ حضرت ابوبکر حزبِ اقتدار کے نمائندہ کی خصوصیات	۱۲۳
۱۰	دسواں باب۔ ارتدادی زلزلہ	۱۳۹
۱۱	گیارھواں باب۔ خاندانِ رسالت اور دورِ سلطنت حضرت ابی بکر	۱۵۳
۱۲	بارھواں باب۔ جناب امیر علیہ السلام (قائدِ حزبِ اختلاف کا بہترین نمونۂ عمل)	۱۷۵
۱۳	تیرھواں باب۔ حضرت ابوبکر کی خارجہ حکمتِ عملی	۱۸۸
۱۴	چودھواں باب۔ حضرت ابوبکر کی آخری علالت اور آپ کی وفات	۲۰۳
۱۵	پندرھواں باب۔ حضرت ابوبکر کی سلطنت کی نوعیت	۲۰۹

پہلا باب

مسلمانوں کے دو فکری حلقے

الٰہی حاکمیت اور انسانی حاکمیت

سرکارِ رسالت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارتحال پُرملال کے بعد مسلمان دو فکری حلقوں میں تقسیم ہو گئے۔

آلِ محمدؐ کا نظریہ "الٰہی حاکمیت" تھا اور صحابہ کی ایک جماعت کا نظریہ انسانی حاکمیت۔ پہلے نظریہ کو اختیار کرنے والے شیعہ کہلاتے ہیں اور دوسرے نظریہ کو اپنانے والے اہلسنت والجماعت کے نام سے مشہور ہیں۔

شیعہ شیعہ کے معنی عربی زبان میں تبعین اور پیروؤں کی جماعت کے ہیں۔ جو جماعت نظریاتِ اسلامیہ میں انبیاء و مرسلین علیہم السلام بالخصوص خاتم الانبیاء محمد مصطفےٰ ارواحنا لہ الفدا اور ان کی آل اطہار کی پیروی کرتی ہے شیعہ کہلاتی ہے۔ الٰہی حاکمیت کا نظریہ وہ نظریہ ہے جس کی تمام انبیاء و مرسلین نے دعوت دی اور سرکارِ رسالت

نے اپنے زمانہ میں اسے عملاً پیش کیا۔ یہی نظریہ آلِ محمدؐ کا نظریہ ہے۔ اس لیے وہ جماعت جو اس نظریہ پر برقرار رہے "شیعۂ آلِ محمدؐ" یا "شیعۂ علیؑ" کہلاتی ہے۔

اہل السنّت والجماعت

اہل السنّت والجماعت کے معنی ہیں "سنّت اور جماعت والے"۔ چونکہ انھوں نے سنّت کے علاوہ جماعتی فیصلوں کو بھی مذہب میں داخل کرلیا ہے اور انسانی حکومت کا نظریہ مذہب کا نہیں بلکہ جماعت کا فیصلہ ہے۔ مسلمانوں کی جماعت نے بعد سرکارِ رسالت اقتدار اعلیٰ کے مختلف طریقے اختیار کرلیے۔ کبھی انتخاب کے ذریعہ تقرر ہوا۔ کبھی سابق حاکم نے اپنا جانشین نامزد کیا۔ کبھی ایک کمیٹی کے مشورہ سے اقتدار اعلیٰ کا فیصلہ ہوا اور کبھی اقتدارِ اعلیٰ بزور شمشیر حاصل کیا گیا۔ جس سے "انسانی حاکمیت" کے لیے چار اصول بن گئے۔ اجماع، استخلاف شوریٰ اور قہر و غلبہ۔ ان چاروں طریقوں کی طرف نہ قرآن رہنمائی کر رہا ہے اور نہ سنّتِ رسولؐ۔ بلکہ یہ مسلمانوں کے جماعتی فیصلے ہیں۔ اس لیے ان فیصلوں پر عمل کرنے والے "اہل جماعت" کہلاتے ہیں۔ ان میں سے ہر طریق کار کو ہم اس کے موقعہ اور محل پر بیان کریں گے۔

لفظ اسلام سے نظریۂ حکومت کی توضیح

لغت کے لحاظ سے "اسلام" کے دو معنی ہیں:-

ایک "طاعت میں سر رکھنا" یا گردن جھکا دینا، یعنی اللہ کی طاعت میں سر تسلیم خم کرنا اسلام ہے اور دوسرے "سپرد دل" یعنی "اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دینا"۔ قرآن حکیم نے لفظ اسلام میں ایک لطیف معنی بھی پیدا کیے ہیں۔ اس نے سر و گردن کی بجائے لفظ "وجہہ" اختیار کیا ہے۔ یعنی اللہ کی اطاعت میں اپنے چہرہ کو جھکانا، چہرے کو عربی زبان میں "وجہہ" اس لیے کہتے ہیں کہ چہرہ توجہ کا ذریعہ ہے۔ توجہ پر جب ہم نفسیاتی طور پر توجہ کرتے ہیں تو "انسانی نفس کا اپنی تمام طاقتوں، قوتوں، صلاحیتوں اور اہلیتوں کو ایک مرکز پر لے آنا توجہ کہلاتا ہے۔" اس توضیح کے لحاظ سے اسلام کے معنی اپنی تمام طاقتوں، صلاحیتوں، قوتوں اور اہلیتوں کو ایک مرکز پر لا کر اللہ کی اطاعت میں جھکا دینا یا اللہ کے سپرد کر دینا اسلام ہے۔ اس اصول کو قرآنی الفاظ "من اسلم وجہہ للہ" (النساء آیت ۱۲۵ پ۵ ع ۱۵) میں بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے لفظ اسلام کی رو سے اللہ کی مرضی کے مقابلہ میں انسان کا حق خود ارادی Self Determination. خواہ شخصی ہو یا جمہوری کوئی چیز نہیں ہے۔ اقتدار اعلیٰ کا مالک اور حاکم مطلق صرف اللہ ہے اور جسے وہ اپنا نائب بنائے۔ اس لیے جب اللہ کا نامزد نمائندہ اقتدار اعلیٰ کا مالک ہو تو وہ اسلامی حکومت کہلائے گی اور جب مسلمانوں کا نمائندہ حاکم ہو تو وہ مسلمانوں کی حکومت کہلائے گی۔ اسلام کے نمائندہ کی تاریخ اسلام کی تاریخ اور مسلمانوں کے نمائندہ کی تاریخ مسلمانوں کی تاریخ کہلائے گی۔

لا الٰہ الا اللہ سے نظریہ حکومت کی توضیح

"لا الٰہ الا اللہ" وہ کلمہ توحید ہے جو اسلام کی بنیاد ہے۔ وہ حکومت الٰہیہ کا اقرار ہے۔ سرکار رسالت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "لا الٰہ الا اللہ" کا نعرہ بلند کر کے نہ صرف بت پرستی، عناصر پرستی، اشجار پرستی اور حیوان پرستی کا خاتمہ کر دیا بلکہ اس سے انسان پرستی کو بھی ختم کر دیا ہے جو انسانی حاکمیت کے روپ میں انسانوں سے پرستش کراتی ہے۔ حضور نے انسانوں کی انسانوں پر حکومت کے غلط اصول کو پاش پاش کر دیا۔ انسان کو انسانی حکومت سے آزادی دی۔ خواہ وہ حکومت ملوکیت ہو یا آمریت (Dictatorship)۔ سرداری قبائل کی حکومت ہو یا اشرافیت[1] و عیانیت، جمہوریت ہو یا قہر و غلبہ کی حکومت۔ ان اقسام کی حکومتوں کو مذہبی حکومت سمجھنا۔ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے منافی ہے اس قسم کی حکومتیں مادی اور دنیاوی حکومتیں ہوتی ہیں۔ رفع شر اور رفع فتنہ و فساد اور قیام امن کے لیے ان سے تعاون کرنا، انہیں نیک مشورے دینا، اور ان میں حصہ لینا رعایا کا فرض ہے۔

نظریہ حکومت کی قرآنی توضیح

ان الحکم الا للہ۔ قرآن صاف الفاظ میں اعلان کر رہا ہے کہ حکومت صرف اللہ کے لیے ہے۔ پھر فرمایا لا یشرک فی حکمہ احدا۔

---

[1] اشرافیت: اشراف یا اعیان مملکت کی حکومت اشرافیت یا اعیانیت کہلاتی اور بہت سے افراد کی حکومت جمہوریت کہلاتی ہے۔ ایک شخص کی حکومت کو ملوکیت کہتے ہیں۔

اللہ کی حکومت میں کسی کو شریک نہ بناؤ۔ نہ ایک فرد کو اور نہ چند افراد انسانیہ کی کمیٹی کو اور نہ ہی جمہور کو۔ پھر ارشاد ہوا لم یکن لہ شریک فی الملک ملک اسی اللہ کا ہے اور اس ملک کی حکومت میں کوئی اس کا شریک نہیں حکومت کا نہ ملوک کو حق ہے نہ آمروں کو، نہ اشراف و اعیان کو حق ہے نہ جمہور کو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ جن امور کو اپنی طرف نسبت دیتا ہے ان کا انصرام اس کے نمائندوں کے ذریعہ ہوتا ہے اس لیے حکومت جو امر الٰہی ہے اس کا اظہار بھی اس کے نمائندوں کے ذریعہ ہوگا۔ اور اس کا نمائندہ وہ ہے جسے وہ خود مقرر کرے نہ کہ جمہور۔ اور جسے وہ خود مقرر کرے وہ معصوم ہوتا ہے۔ اور وہ علم لدنی کا مالک ہوتا ہے۔ اس اصول کی مثال قصہ بنی اسرائیل میں موجود ہے جبکہ بنی اسرائیل نے اپنے نبی کے ذریعہ اپنے بادشاہ کا تقرر چاہا تو اللہ نے طالوت کو مقرر فرمایا۔ ظاہر بین نگاہوں نے اس پر اعتراض کیا کہ اسے تو ہم پر مالی فوقیت نہیں حاصل ہے۔ اس کے جواب میں اللہ نے صاف ارشاد فرمایا "ان اللہ اصطفیہ وزادہ بسطۃً فی العلم والجسم" اللہ نے اسے پاکیزگی میں چھانٹا ہے اور اسے علم اور جسم یعنی علم و شجاعت میں فوقیت دی ہے صاف ظاہر ہے کہ اس مثال میں نمائندہ الٰہیہ کے تقرر کے لیے نص، عصمت علم اور شجاعت ہی شرائط ہیں۔ کیا اس کے بعد بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ اللہ نے نظریۂ حکومت کی وضاحت نہیں فرمائی تھی اور نہ رسول اللہ نے اس کے متعلق کچھ ارشاد فرمایا تھا۔ اس لیے سرکار رسالتؐ کے بعد مسلمانوں کو رسم و رواج زمانۂ جاہلیت کی طرف پلٹنا پڑا۔

شیعوں کا نظریہ حکومت قرآن و سنّت کے مطابق ہے

شیعوں نے قرآنی نظریہ حکومت کو ہی اختیار کیا ہے۔ جس کی عملی وضاحت رسول اللہ نے میدانِ خم غدیر میں فرما دی تھی۔ جب عام مسلمانوں نے انسانی حاکمیت کے نظریہ کو عملاً اپنا لیا، تو یہ گروہ حزبِ اختلاف (Opposition Party) میں تبدیل ہو گیا اور ہم اس وقت تک اصولاً حزبِ اختلاف میں رہیں گے۔ جب تک حکومت الٰہی حاکمیت کے محور پر گردش نہیں کرے گی۔ ہاں مگر ہمارے پیشواؤں نے حزبِ اختلاف میں رہ کر ہمیشہ تعمیری کام کیا ہے اور تخریبی پروگرام کو کبھی اختیار نہیں کیا۔ حزبِ اقتدار کو نیک مشورے دیئے اور ایک صالح سیاست کے منصب کو تا امکان نبھایا۔ اگر کبھی کسی حکومت سے چپقلش ہوئی۔ تو اُس وقت جب اربابِ اقتدار نے ہمارا پیمانۂ صبر لبریز کر دیا۔ اور ہمیں حفاظت خود اختیاری کے لیے کوئی اقدام کرنا پڑا۔ جس کا ہر ذی حیات کو فطرتاً حق ہے۔

حزبِ اقتدار کے مورخین کا ایک مغالطہ اور اسکی تردید

مورخینِ عامہ عوام کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کے لیے شیعہ کے نظریہ حکومت الٰہیہ کی غلط ترجمانی اس طرح کرتے ہیں:۔

"شیعہ ایک خاص خاندان یعنی اہل بیت کو حکومت کا حقدار سمجھتے ہیں۔ انھوں نے یہ تخیل ایران سے لیا تھا۔ ایران میں شاہی خاندان کے افراد کے سوا کوئی دوسرا بادشاہ بننے کا اہل نہیں سمجھا جاتا تھا"۔

(تاریخ خلافت اسلامیہ)

حالانکہ شیعوں کا یہ نظریہ ہرگز نہیں ہے۔ شیعوں کے ہاں خلافتِ الٰہیہ کے لیے خاندان کی شرط ہرگز نہیں ہے۔ شیعہ ---- مذہب میں الٰہی نمائندہ کے شرائط نص، عصمت اور علم ہیں۔ خاندان اہلبیتؑ کے جن افراد میں یہ شرائط موجود ہیں ان کو ہی ہم الٰہی نمائندہ اور اقتدار اعلیٰ کا مستحق سمجھتے ہیں۔ اگر خلافت کو شیعہ وراثت پر مبنی جانتے تو مذہبی قیادت کا حقدار امام حسن علیہ السلام کے بعد ان کی اولاد کو سمجھتے۔ شیعوں کا امام حسین علیہ السّلام کو اور ان کے بعد ان کے نو معصوم فرزندوں کو امام سمجھنا اس غلط فہمی کی تردید ہے۔ شیعوں کا عمل تو ملت الٰہیہ پر ہے۔ اللہ بھی صفات کی بنا پر خاندانِ ابراہیمؑ کو موردِ الطاف و عنایات قرار دیتا ہے۔ اگر اس لطف و کرم پر لوگ حسد کریں تو یہ ان کا اپنا فعل ہے۔ چنانچہ خاندانِ ابراہیمؑ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:۔

ام یحسدون الناس علیٰ ما اتاھم اللہ من فضلہٖ فقد اتینا اٰل ابراھیم الکتاب والحکمۃ واتیناھم ملکاً عظیماً

(سورہ النساء آیت ۵۴ پ ۵ ع ۴)

کیا لوگ اس چیز پر جو ہم نے آلِ ابراہیمؑ کو عطا کی حسد کرتے ہیں۔ ہم نے آلِ ابراہیمؑ کو کتاب اور حکمت عطا فرمائی اور انہیں عظیم سلطنت عطا کی۔

"وجعلنا فی ذریتہ النبوۃ والکتاب" اور ہم نے اس کی ذریت میں نبوت اور کتاب کو رکھا۔

المختصر شیعہ نص، عصمت اور علم کو محلِ اعتقاد سمجھتے ہیں۔

شیعوں کا نظریہ حکومتِ الٰہیہ قرآن اور سنّت کا نظریہ ہے۔ اور عقل بھی اس کی تائید کر رہی ہے۔

اللہ نے انسان کو آزاد و خود مختار پیدا کیا ہے۔ پھر وہ اللہ کے سوا کسی اور کے سامنے اپنا سر کیوں جھکائے۔ آخر وہ کون سی خصوصیت ہے جس کی وجہ سے وہ دوسرے انسانوں پر اقتدار حاصل کر کے انہیں اپنی اغراض کا تختہ مشق بنائے۔ اشرافیت پر بھی یہی اعتراض ہوتا۔ جسے جمہوریت کہتے ہیں وہ بھی ایک پارٹی کی حکومت ہوتی ہے۔ آخر اس پارٹی کو حکومت کا حق کیوں ہے۔ اگر جمہوریت میں کل قوم حاکم ہے اور خود ہی محکوم تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مفادِ حکومت ختم۔

الٰہی حاکمیت کے نظریہ کو انگریزی علم سیاست (Politics) میں تھیوری آف ڈیوائن اورجن (Theory of Divine origin) کہتے ہیں۔

یورپ کے مفکر پروفیسر گلکرائیسٹ (Gillchrist) اس نظریہ کے متعلق اس طرح اظہارِ خیال فرماتے ہیں:-

The idea of Divine origin was a factor in preserving order and preventing anarchy. It emphasies the moral end of the state. To regard the state as work of God is to Give it a moral high status to make it something

wich the citizen may rever and support something which he may regard as the perfection of human life.

(Introduction to politics)

نظریہ حکومتِ الٰہیہ نظام کے قائم رکھنے اور طوائف الملوکی کو روکنے کا ذریعہ تھا۔ یہ ریاست کے اخلاقی انجام پر زور دیتا ہے۔ حکومت کو فعلِ خدا سمجھنا اس کے بلند اخلاقی معیار کا ضامن و کفیل ہے۔ اس حکومت کا قیام اسے قابلِ احترام و تعاون بناتا ہے۔ اس کا قیام انسانی زندگی کا کمال سمجھاتا ہے۔

اکثر مفکرینِ مغرب نے اس نظریہ کے تقدس کو اسی طرح بیان کیا ہے۔ مگر انہیں اس پر اعتراض ہے کہ انسانی خواہشات نے کبھی اس کا ماحول پیدا ہونے نہ دیا۔ اور اس کا صحیح نمائندہ آگے نہ بڑھ سکا۔ اسی خیال کو مشرق کے شاعر علامہ اقبال رح نے اپنے مفکرانہ انداز میں اس طرح پیش کیا ہے :-

کبھی جہان میں نہ قائم ہوئی حکومتِ عشق

سبب یہ ہے کہ محبت زمانہ ساز نہیں

بھلا محبت الٰہیہ انسانی خواہشاتِ نفسانیہ کی تائید کس طرح کر سکتی ہے یہی تو اس کا امتیاز ہے کہ جمہوریت کی طرح زمانہ سازی کو اختیار نہیں کرتی اور جمہور کی خواہشات کے اشارہ پر سرگرم عمل نہیں ہوتی۔

اللہ نے اپنی حکومت کے دنیا میں جلوے دکھلائے ہیں۔ اور مستقبل

میں قیام حکومتِ الٰہیہ کے اعلانات قرآنِ حکیم میں موجود ہیں۔ آخر میں جب انسانی تجاویزِ امنِ عالم میں ناکام ہو جائیں گی تو وہ اپنے نمائندہ کے ذریعہ سے اس عالم میں امن قائم کرے گا۔ اور دنیا کو عدل و انصاف سے معمور کرے گا۔ جبکہ وہ ظلم و جور سے پُر ہو چکی ہوگی۔ انسانی سیاست لاکھ پلٹے کھائے۔ دنیا میں قیام امن انسانی حاکمیت کے بس کا روگ نہیں۔ عالمی مشکلات کو الٰہی حاکمیت ہی ختم کر سکتی ہے اور کرے گی۔ ایک الٰہی نمائندہ نے اس کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا ہے:۔

ولکل اناس دولۃ یرقبون لھا، ودولتنا فی اٰخر الدھر یظھر

ہر قوم ایک سلطنت کی امید رکھتی ہے۔ مگر ہماری یعنی الٰہی نمائندہ کی سلطنت زمانہ کے آخر میں ظاہر ہوگی۔ عجل اللہ فرجہٗ

موجودہ زمانہ میں جس قدر مسلمانوں کی حکومتیں ہیں ان کی تقویٰ اور پرہیزگاری میں اعانت کرنا حکومتِ الٰہیہ کے مکتبِ فکر کے نمائندوں کا فریضہ ہے۔ اور غیر مسلم حکومتوں میں بھی امن کی زندگی بسر کرنا اس وقت تک ان کا فرض ہے جب تک انہیں دینی آزادی حاصل ہو۔

سوالات

۱۔ سرکارِ رسالتؐ کی وفات حسرت آیات کے بعد نظریۂ حکومت کے متعلق مسلمانوں کے دو فکری حلقوں کے اختلاف کو بیان کرو۔

۲۔ لفظ شیعہ کی توضیح کرو اور بتلاؤ کہ شیعہ کسے کہتے ہیں ؟ اور وہ نظریۂ حکومت میں کس کی پیروی کرتے ہیں ؟

۳۔ لفظ اہلسنت والجماعت کی توضیح کرو اور اس مرکب لفظ میں لفظ جماعت کی وضاحت کرو۔ اور بتلاؤ کہ انسانی حاکمیت کا نظریہ اہل سنت والجماعت نے کس دلیل سے اختیار کیا ؟

۴۔ لفظ اسلام سے نظریۂ حکومت کی وضاحت کیجئے اور ثابت کیجئے کہ نظریۂ حکومتِ الہیہ اسلامی نظریہ ہے ؟

۵۔ کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللّٰہ سے نظریہ حکومتِ الہیہ کی وضاحت کیجئے اور ثابت کیجئے کہ ملوکیت ، اشرافیت ، جمہوریت تمام رائج الوقت نظام ہائے حکومت منافی کلمۂ لا الٰہ الا اللّٰہ ہیں۔

۶۔ ثابت کرو کہ نظریۂ حکومتِ الہیہ قرآنی نظریہ ہے۔ یہ بھی لکھیے کہ نظامِ حکومتِ الہیہ کا قیام کس طرح ہوتا ہے۔ اور اس الٰہی نمائندہ کے لیے کیا شرائط ہیں ؟

۷۔ شیعوں کے نظریۂ حکومتِ الہیہ کو قرآن اور سنت کی روشنی میں بیان کیجئے۔

۸۔ حزبِ اقتدار کے مورخوں نے شیعہ نظریۂ حکومت کی کس طرح غلط ترجمانی کی ہے۔

۹۔ حزبِ اقتدار کے مورخوں کے مغالطہ کی تردید کیجئے شیعوں کے ہاں الٰہی نمائندہ کے لیے کیا شرائط ہیں ؟

۱۰۔ شیعہ نظریۂ حکومت کی عقل کس طرح تائید کر رہی ہے۔

۱۱۔ پروفیسر گلکرائسٹ نے نظریہ حکومتِ الٰہیہ کے تقدس کو کن الفاظ میں بیان کیا ہے؟

۱۲۔ مفکرینِ مغرب نے نظریۂ حکومتِ الٰہیہ پر کیا اعتراض کیا ہے۔ اور نظریۂ حکومت کے قیام کے متعلق اسلام کی پیشینگوئیوں کو بیان کیجئے۔

دوسرا باب

جمہوریت اور اسلام

نظریۂ جمہوریت اور اسلام

دورِ حاضر کے مسلمانوں میں یہ خیال عام ہو گیا ہے کہ اسلام کا نظریۂ حکومت جمہوری ہے۔ حالانکہ جب اسلام کا غائر نظر سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام کو جمہوریت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ انیسویں صدی عیسوی کے آخر تک مسلمانوں میں شہنشاہی یا ملوکیت کا رواج تھا۔ جسے خلافت کے معزز نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ بیسویں صدی میں یورپ کے رنگ کو اختیار کر کے مسلمانوں نے "جمہوریت اسلام ہے" کا نعرہ بلند کیا۔

جمہوریت کے حامیوں کے خیالات

جمہوریت کو اسلامی نظریۂ حکومت کہنے والے عموماً کہتے ہیں کہ سرکارِ رسالتؐ کے بعد صحابہ کرام نے جمہوری حکومت قائم کی۔ وہ صحابہ کرام جو سرکارِ رسالتؐ کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ ہیں۔ اور خلافتِ راشدہ کے تیس سال اسلامی جمہوریت کا بہترین نمونہ تھے۔

حالانکہ دو سال کے بعد ہی اس نظام کو جسے جمہوریت کہا جاتا ہے مسلمانوں نے نہ صرف بدل دیا بلکہ جمہوریت کو بروئے کار لانے والے نے بیعت حضرت ابی بکر کو فلتۃ (امر ناگہانی) کہہ کر اس نظام سے برائت کا اعلان کیا اور اسے آئندہ اختیار کرنے پر تنبیہ بھی فرمائی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد جمہوریت کی جگہ ملوکیت اور شہنشاہیت نے لے لی اور یہی شہنشاہی بقیہ تیرہ صدیوں میں مسلمانوں کی تباہی، نکبت اور زوال کا باعث ہوئی۔ گویا جس نظامِ حکومت کو اسلامی کہا جاتا ہے وہ تیس برس کی قلیل مدت میں ختم ہو گیا۔ اور مسلمانوں نے اسے اپنے کردار سے ناقابلِ عمل بنا دیا۔ آخر یہ اسلامی نظریۂ حکومت کن ہاتھوں سے ختم ہوا۔ کیا وہی افراد مسلمانوں کی تباہی، نکبت اور زوال کا باعث نہیں ہوئے؟

جمہوریت اور صحابہ

اگر وہ صحابہ کرام کے بلند مرتبہ گروہ سے تھے تو کیا صحابہ ہی اسلام کے موجودہ زوال کے باعث ہوئے؟ اگر جمہوریت کا قیام اسلام کی غرض و غایت ہے تو اسلامی اغراض و مقاصد مٹانے والوں کی اسلام میں کیا پوزیشن ہے؟ کیا اس پر تاریخ کا ایک طالب علم کہہ سکتا ہے کہ جمہوریت کا قیام بھی صحابہ کرام کی جماعت سے ہوا اور اسے ختم بھی صحابہ کرام کی جماعت نے کیا۔ کیا صحابہ کی جس جماعت نے اسلامی اغراض و مقاصد کو اس طرح خاک میں ملتے دیکھا اور وہ صرف خاموش ہی نہیں رہے بلکہ انہوں نے ایسے خلافِ اسلام

نظریۂ ملوکیت کی تائید کی۔ ان کے دینی جذبات، مذہبی وجدانات اور اسلامی فہم و فراست اور روحانی افکار کے متعلق آپ یہ نہ کہیں گے کہ ؎

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

آخر اس انقلاب کے بعد علمائے ملتِ اسلامیہ مشہور حدیث "الصحابہ کلھم عدول الخ" کے متعلق کیا کہیں گے کہ صحابہ تمام عدول ہیں جس کسی کی بھی پیروی کر لی جائے باعثِ ہدایت ہے۔ کیا وہ ملوکیت جو مسلمانوں کی تباہی اور زوال کا باعث ہوئی اس حدیث کے مطابق ہدایت تھی؟

حضرت ابوبکر اور حضرت معاویہ

ایک صحابی حضرت ابوبکر ہیں جو بقول اکثریتی فرقہ جمہوریت کے قیام کا باعث ہوئے۔ اور دوسرے صحابی حضرت معاویہ ہیں جو جمہوریت کو مٹا کر ملوکیت کے بانی ہیں۔ کیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جمہوریت بھی اسلام اور ہدایت ہے۔ اور ملوکیت بھی اسلام اور ہدایت ہے۔ چونکہ دونوں کے قیام کا سہرا ہدایت فرمانے والے ستاروں کے سر ہے۔

مسلمانوں کا ملوکیت پر اجماع

پہلے تیس برس کے بعد تقریباً تیرہ سو برس مسلمانوں کا اجماع ملوکیت پر رہا۔ جس میں تابعین بھی شامل، تبع تابعین بھی، علمائے کرام بھی اور اولیائے کرام بھی اور پھر یہ بھی مسلمات میں شمار کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کی جماعت باطل پر جمع نہیں

ہو سکتی - اس لحاظ سے جمہوریت بھی تھی اور ملوکیت بھی تھی، وہ ملوکیت جو مسلمانوں کی تباہی اور زوال کا باعث ہوئی - تعجب ہے کہ ملوکیت کو غیر اسلامی اور مشرکانہ نظام حکومت کہا جاتا ہے اور پھر صحابہ کرام، تابعین عظام، تبع تابعین اسلام، علمائے اسلام و اولیائے ذوی الاحترام سب ہی دینی بصیرت اور شعور اسلامی کو پس پشت ڈال کر غیر اسلامی نظریۂ حکومت پر مہر توثیق ثبت فرماتے رہے۔

اہل بیت اطہار اور اُن کے شیعہ

البتہ اہل بیت اطہار اور وابستگان اہل بیت نام نہاد جمہوریت اور باعث زوال اسلام ملوکیت کے مذہباً خلاف رہے اور ان دونوں نظریوں کے خلاف ان کی پوزیشن حزب اختلاف کی تھی اور وہ اس وقت تک ان دونوں نظریوں کی مذہباً مخالفت کریں گے۔ جب تک صحیح اسلامی نظریہ الٰہی حاکمیت ان غیر اسلامی نظریوں کو مٹا کر دنیا کو عدل و انصاف سے نہ بھر دے۔ البتہ وہ اس وقت تک اختلال تمدن کا باعث نہیں ہوئے جب تک ملوکیت نے انھیں کسی اقدام پر مجبور نہیں کر دیا۔

نظریات اہلبیت کو ترک کر کے مسلمانوں کی حالت

ان الٰہی نظریات کو جنہیں محمدؐ و آلِ محمدؐ نے پیش کیا تھا ترک کر کے مسلمانوں کی یہ حالت ہو گئی کہ وہ ہر ایسے نظریہ کی جو اربابِ اقتدار نے پیش کیا تائید کرنے لگے۔ جو حالات پیش آئے انہی کو عین اسلام ثابت کرنے کے لیے مصروف جد و جہد نظر آئے۔ تفسیر بالرائے سے قرآن کو بدل کر ہر زمانہ کی ضروریات کے مطابق کر دیا۔ اور اس

زمانہ کے انسانوں کی خواہشات کا ہر طرح لحاظ کیا اور زمانہ با تو نسازد تو
بازمانہ بساز کی پالیسی پر عمل کیا۔ کبھی فلسفہ یونان کو اپنایا تو اسے اسلامیات
کا جز بنا دیا۔ کبھی مزدکیت اور اشتراکیت کو اپنایا اور اسلام کا مترادف بنا دیا
ملوکیت کے زمانہ میں امپریلسٹ (شاہ پسند) ہو گئے۔ آج یورپ میں جمہوریت
کا ہنگامہ ہے تو جمہوریت کو نظریہ اسلام کہہ دیا۔ البتہ اہل بیت کے دامن سے
وابستہ اپنی جگہ پر قائم رہے ؎

خیرہ نہ مجھ کو کر سکا جلوۂ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف
اقبال

تعلیمات قرآنیہ اور نظریہ جمہوریت

جمہوریت کی بنیاد اکثریت پر ہے اور اکثریت کے فیصلوں کو اپنانے کیلئے اسلام نے ہمیشہ منع فرمایا ہے اور اس کی وجہ بھی بیان کر دی ہے
ارشاد ہوتا ہے:- وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل
اللہ ان یتبعون الا الظن (الانعام آیت ۱۱۶) اگر تم ان لوگوں میں سے
جو زمین میں ہیں اکثر کا کہنا مانو گے تو وہ تمہیں راہ خدا سے بھٹکا دیں گے۔ کیونکہ
وہ ظن کی پیروی کرتے ہیں۔
لیجئے قرآن حکیم نے ایک ہی آیہ مبارکہ کے تیشہ سے شجر جمہوریت کو خاک
میں ملا دیا۔ اور وجہ بھی بیان کر دی ہے کہ اکثریت کا اتباع گمراہی اور ضلال کا
سبب ہے۔ یہ انسان کو اللہ کی راہ سے بھٹکا دیتا ہے۔ اس سے بڑھکر جمہوریت
کے خلاف اسلام کی کیا وضاحت ہوگی۔ پھر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "اکثریت ظن

کی پیروی کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ظن معاملات کی صحت کا کفیل نہیں ہے۔

(۱) ارشاد ہوتا ہے۔ قلیلاً ما تشکرون (الاعراف آیت ۱۰ پ ۸ ع ۸)

شکر گزار بہت تھوڑے ہیں، یعنی اکثریت ناشکر گزار ہوا کرتی ہے۔

(۲) ولکن اکثر الناس لا یعلمون (یوسف آیت ۴۰ پ ۱۲ ع ۱۴) لیکن

اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اکثریت کی جہالت کو بھی بیان کر دیا۔ تو ان جاہلوں

کے فیصلے کس طرح دنیا میں قیام امن کا باعث ہو سکتے ہیں۔

(۳) ولکن اکثر الناس لا یومنون (الرعد آیت ۲ پ ۱۳ ع ۶) لیکن اکثر لوگ

ایمان نہیں لاتے۔ لیجئے اکثریت کے عدم ایمان کی بھی تصدیق ہوگئی۔

(۴) واکثرھم للحق کارھون ولو اتبع الحق اھواءھم لفسدت السمٰوٰت

والارض ومن فیھن (المومنون آیت ۷۱ پ ۱۸ ع ۳) ان میں اکثر حق سے

نفرت کرنے والے ہیں اگر حق ان کی خواہشات کی پیروی کر لیتا تو آسمانوں میں

اور زمین میں فساد برپا ہو جاتا اور جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں وہ فساد میں مبتلا

ہو جاتے۔ لیجئے اکثریت کی خواہشات کی پیروی فساد کا سبب ہے۔

(۵) وما کان اکثرھم مومنین (الشعراء آیت ۱۵۹/۱۲۵/۱۹۰ پ ۱۹ ع ۱۲) اور ان

میں سے اکثر مومن نہیں تھے۔ لیجئے اکثریت کا عدم ایمان پر اجماع ہے۔

(۶) ولکن اکثرھم لا یشکرون (النمل آیت ۷۳ پ ۲۰ ع ۱) لیکن ان

میں سے اکثر شکر نہیں کرتے۔

(۷) ولکن اکثرھم لا یعلمون (القصص آیت ۱۳ پ ۲۰ ع ۲) لیکن ان میں

سے اکثر نہیں جانتے۔

(۸) وَرَبُّکَ یَخْلُقُ مَا یَشَاءُ وَیَخْتَارُ مَا کَانَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ (القصص آیت ۶۸ پ ۲۰ ع ۹) تیرا رب جو چیز چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے چُنتا ہے۔ لوگوں کو چناؤ کا حق نہیں۔ انسان کے حق خود ارادیت کا وہ انفرادی ہو یا اجتماعی یہ آیت انکار کر رہی ہے۔

(۹) ولکن اکثر الناس لا یعلمون (الروم آیت ۳۱ پ ۲۱ ع ۶) لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

(۱۰) وقلیلٌ من عبادی الشکور (السبا آیت ۱۴ پ ۲۲ ع ۷)۔ اور میرے شکر گزار بندے تھوڑے ہیں۔

(۱۱) ولکن اکثر النّاس لا یعلمون (السبا آیتہ ۲۹ پ ۲۲ ع ۸) لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

(۱۲) پھر نہ جاننے والے یعنی جاہلوں کے متعلق حکم ہے۔ لا تتبع اھواء الذین لا یعلمون (جاثیہ آیت ۱۹ پ ۲۵ ع ۱۰) لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔
ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو نہیں جانتے۔

(۱۳) ولکن اکثر الناس لا یعلمون (جاثیہ آیتہ ۲۶ پ ۲۵ ع ۱۰) لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

جمہوریت کا بنیادی اصول (Basic Principle) بلا امتیاز مساوات ہے یعنی جمہوریت نیک و بد، عالم و جاہل کو نظام حکومت و معاشرت میں مساوی حقوق دیتی ہے۔ نیک ہو یا فاسق و فاجر، بہادر ہو یا بزدل، سخی ہو یا کنجوس، مومن ہو یا منافق، انجینیئر ہو یا معلم، ڈاکٹر ہو یا وکیل، زمیندار ہو یا کسان سب کے ووٹ کی ایک ہی قیمت ہے۔ اس کے برخلاف قرآن مجید علم و عمل کی بنیاد پر فرق مراتب کا علمبردار ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

۱- ام نجعل الذین امنوا و عملوا الصّالحات کالمفسدین فی الارض ام نجعل المتقین کالفجّار (ص آیت ۲۸ پ ۲۳ ع ۱۱)

کیا ہم ایمانداروں اور اعمال صالحہ بجا لانے والوں کو ان جیسا قرار دیں۔ جو زمین میں فساد کرنے والے ہیں۔ کیا ہم پرہیزگاروں کو بہت بدکاری کرنے والوں کی طرح سمجھیں (ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا)

۲- انجعل المسلمین کالمجرمین مالکم کیف تحکمون (القلم آیت ۳۶ پ ۲۹ ع ۳) کیا ہم امن پسند انسانوں اور مجرموں کو مساوی حقوق دیں تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ تم کیسا فیصلہ کرتے ہو۔

۳- افمن کان مومناً کمن کان فاسقاً۔ کیا ایک مومن اور بدکار برابر ہے؟

۴- ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون۔ کیا علم رکھنے والے اور علم نہ رکھنے والے مساوی ہیں؟

۵- افمن کان علی بینۃ من ربہ ویتلوہ شاھدٌ منہُ (ہود آیت ۱۷ پ ۱۲ ع ۱) کیا کوئی قرآن جیسی مسکت خصم دلیل لانے والے (محمد مصطفےٰ ارواحنا لہ الفدا) اور اس کی پیروی کرنے والے اس کی صداقت کی گواہیاں دینے والے اور اس کے نور کے حصہ (علی مرتضےٰ ارواحنا لہ الفدا) کے برابر ہو سکتا ہے؟

قرآن حکیم تو نظریۂ حکومت کو ان الفاظ میں واضح کر رہا ہے:۔

۱- ان الارض یرثھا عبادی الصالحون۔ ہمارے صالح بندے زمین

کے وارث ہوں گے۔

۲۔ وعد اللہ الذین امنوا منکم و عملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض۔ تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح بھی کرتے ہیں ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ (ایک نہ ایک دن) ان کو زمین کی خلافت (سلطنت) ضرور عطا کرے گا۔

جمہوریت میں تو ہر شخص کو نظامِ حکومت میں حصہ ملنا چاہیئے۔ مگر اللہ کے ہاں ایمان اور اعمال صالح کی قیود و شرائط موجود ہیں۔ اللہ کے ہاں گنتی کے لحاظ سے انتخاب (Election) نہیں۔ بلکہ صفات کے لحاظ سے انتخاب (Selection) ہے، جسے وہ کبھی اصطفا کے لفظ سے یاد کرتا ہے اور چُنا ہوا مصطفےٰ ہوتا ہے، کبھی اختیار کے لفظ سے ممتاز فرماتا ہے اور چُنا ہوا مختار ہوتا ہے۔ کبھی ارتضیٰ کے لفظ سے اپنی پسندیدگی کا اظہار فرماتا ہے اور چُنا ہوا مرتضیٰ ہوتا ہے۔ کبھی اجتبا کے لفظ سے اپنے چناؤ کا اعلان فرماتا ہے اور چُنا ہوا مجتبیٰ ہوتا ہے۔

اصول جمہوریت امتیاز نسل و نسب و خاندان کو کتنا ہی ناقابل التفات سمجھے مگر جب کسی خاندان میں وہ بلند صفات جمع ہو جائیں جو مقصود اسلام ہیں تو اللہ کے عدل کا تقاضا ان خاندانوں کو چُن کر تختِ قیادت پر جگہ دیتا ہے۔ ان اللہ اصطفیٰ ادم و نوحًا و ال ابراھیم و ال عمران علی العالمین ذریۃ بعضھا من بعض واللہ سمیع علیم (ال عمران آیت ۳۳ پ ۳ ع ۱۳) بیشک اللہ نے آدمؑ، نوحؑ، آلِ ابراہیمؑ اور آلِ عمران کو تمام جہانوں میں برگزیدہ

قرار دیا۔ یہ بعض بعض کی اولاد ہیں۔ اللہ سمیع اور علیم ہے۔

اسوۂ رسولؐ اور جمہوریت

جمہوریت کے حامی کہا کرتے ہیں کہ سرکارِ رسالت ارواحنالہ الفدا اکثر امور میں صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا کرتے تھے اس سے ظاہر ہے کہ آپ کی حکومت جمہوری تھی۔ لیکن ذرا اس مشورہ والی آیت پر غور فرمائیں۔ اس دلیل کی حقیقت خود بخود نمایاں ہو جائیگی۔

فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظا غلیظ القلب لا انفضوا من حولک فاعف عنھم واستغفر لھم وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ ان اللہ یحب المتوکلین (آل عمران آیت ۱۵۹، پارہ ۴ ع ۷)

"پھر (اے رسول) خدا ہی کی رحمت کے سبب سے تم نے ان سے نرمی برتی اور اگر تم درشت مزاج اور سخت دل ہوتے تو وہ تمہارے پاس سے متفرق ہو جاتے پس اب تم بھی ان سے درگزر کرو اور ان کے لیے دعائے مغفرت کرو، اور ان سے معاملات میں مشورہ کر لیا کرو۔ اور جب تم کسی بات کا پختہ ارادہ کر لو تو اس وقت اللہ پر بھروسہ کرو، یقیناً اللہ بھروسہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"

سوچیے کہ اس آیۂ مبارکہ سے حکومت کے امور میں مشورہ کا کہاں پہلو نکلتا ہے۔ سیدھی سی بات ہے کہ تمہاری نرمی اور اخلاق کی وجہ سے یہ لوگ تمہارے گرد جمع ہیں اور یہ اللہ کی رحمت ہے اگر تم تند مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ جاتے۔ اب انہیں اپنے ساتھ ملائے رکھنے کے لیے ان کی تالیفِ قلب کیا کرو۔ ان کی خطاؤں سے درگزر کیا کرو۔

ان کی خامیوں کے لیے دعائے مغفرت کیا کرو۔ اور ان کی حوصلہ افزائی کے لیے ان سے مشورہ کر لیا کرو (مگر تم ان کے مشورہ کے پابند نہیں ہو) جب تم بنفس نفیس کسی چیز کا ارادہ کرو۔ (تو ان کے مشورہ پر نہیں) بلکہ اللہ پر بھروسہ کیا کرو۔ اللہ بھروسہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ آپ ان کے رائے اور مشورہ پر حکومت نہیں کر رہے تھے بلکہ اللہ کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے حکمرانی کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ آپ نے قانون سازی یا نظام حکومت میں صحابہ سے کبھی مشورہ نہیں کیا۔ جمہوریت کا رئیس مجلس قانون ساز کا تابع ہوتا ہے اور عدلیہ کے قوانین کا پابند، حضور منشائے الٰہی و وحی ربانی سے قانون ساز بھی تھے اور نافذ قانون بھی اور قانون کی شرح کرنے والے بھی کسی جمہوریت میں یہ تمام اختیارات ایک فرد کے سپرد نہیں ہوتے۔

نہ عوام نے سرکار رسالت کی حکومت کو تشکیل دیا تھا نہ آئین حکومت میں انہیں اختیارات عوام سے حاصل ہوئے تھے۔ اور نہ عوام کے نمائندوں کی رائے ماننے پر مجبور تھے۔ اور نہ عوام کو ان کی مرضی کے خلاف اقدام کا حق تھا۔

ان امور سے صاف طور پر واضح ہو گیا، سرکار رسالت کی حکومت میں جمہوریت کا کوئی امکان نہیں۔ صرف اس لیے کہ حضور بعض عمومی مسائل میں صحابہ سے مشورہ کر لیا کرتے تھے۔ ان کی حکومت کو جمہوریت کہنا مضحکہ خیز امر ہے۔

حضور کی حکومت اللہ کی زمین پر اللہ کی حکومت قائم کرنا۔ اللہ کی

شریعت کو نافذ کرنا ہے۔ اس حکومت کی توضیح ان قرآنی الفاظ میں کی گئی ہے۔ انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویوتون الزکوٰۃ وھم راکعون۔

بے شک مسلمانوں کا حاکم اللہ ہے اور اس کا رسول ہے (نمائندہ الٰہیہ کی حیثیت سے) اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، نماز کو قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں (نمائندہ کی حیثیت سے) اس آیت میں نہ عوام کے حق خود ارادیت کا ذکر ہے اور نہ جمہوریت کا اشارہ ہے۔ بلکہ صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ ایسے حاکم کا تقرر خدا کی طرف سے ہوتا ہے اور سنتِ الٰہیہ یہی ہے کہ جب کبھی حکومت اللہ کی طرف سے عطا ہوئی تو معصوم نمائندہ کو ہی ہوئی۔ خواہ وہ داؤدؑ ہوں یا سلیمانؑ ہوں یا طالوت۔ اللہ کے نمائندے اپنے لیے زکوٰۃ لے کر نہیں بلکہ زکوٰۃ دے کر حاکم ہوتے ہیں۔

سوالات

۱۔ مسلمانوں نے جمہوریت کا نعرہ کب اور کن اثرات کے تحت بلند کیا؟

۲۔ جمہوریت کے حامیوں کے خیالات بیان کر کے ان کا تجزیہ کیجئے۔

۳۔ مسلمانوں میں نظریۂ جمہوریت کن ہاتھوں سے ختم ہوا۔ اگر جمہوریت اسلام ہے تو جمہوریت کو ختم کرنے والوں کی اسلام میں کیا پوزیشن ہوگی؟

۴۔ اگر حضرت ابوبکر جمہوریت کے بانی تھے اور حضرت معاویہ ملوکیت کے مئوسس تھے اور دونوں صحابی۔ تو پھر صحابہ تمام عدول کی بنا پر کس کی پیروی کی جائے۔ اور کس کی مخالفت، اس عمل سے اس حدیث کی پوزیشن کیا رہے گی؟

۵۔ تیرہ سو برس تک مسلمانوں کا اجماع ملوکیت پر رہا۔ اگر ملوکیت غیر اسلامی اور مشرکانہ نظام ہے تو پھر اجماع میں شریک صحابہ، تابعین، تبع تابعین، علمائے کرام کی پوزیشن کیا ہے؟

۶۔ اہل بیت اطہار اور ان کے شیعوں کا جمہوریت اور ملوکیت کے متعلق کیا رویہ تھا؟

۷۔ نظریۂ اہلبیتؑ کو ترک کرنے سے مسلمانوں پہ کیا اثرات پڑے؟

۸۔ نظریہ جمہوریت کے خلاف تعلیماتِ قرآنیہ کو پیش کر کے ثابت کیجئے کہ یہ نظریہ قرآن سے متصادم ہوتا ہے۔

۹۔ ثابت کیجئے کہ جمہوریت میں بلا امتیاز مساوات ہے اور اسلام و قرآن حفظِ مراتب کے علمبردار ہیں۔ اس لیے جمہوریت کا اسلام میں کوئی مقام نہیں۔

۱۰- قرآن نے کن الفاظ میں اسلامی نظام حکومیت کو بیان کیا ہے۔

۱۱- کیا سرکار رسالتؐ کا صحابہ کرام سے مشورہ فرمانا ان کی سلطنت کے جمہوری ہونے کی دلیل ہے؟

۱۲- الٰہی نظام حکومت کی آیہ انما ولیکم اللہ سے وضاحت کیجئے۔

تیسرا باب

جمہوریت عقل و تدبر کی روشنی میں

جمہوریت کا قیام انسانیت جب شخصی حکومت اور ملوکیت سے تنگ آ گئی، تو انسانی تدبر نے اس کا حل تلاش کیا۔ کہ ایک شخص بادشاہ نہ ہو بلکہ ایک نظام جمہوری ہو، اور اسی کے زیرِ اثر حکومت کے فرائض کو انجام دیا جائے۔ کیونکہ حکومت کے نمائندے جمہور کے چُنے ہوئے ہوں گے۔ اس لیے اُنہیں رعیت کے دکھ درد کا احساس ہو گا اور وہ منتخب کرنے والوں کی ضروریات اور ان کے مصائب کا خیال رکھیں گے۔

مگر کیا یہ نظامِ حکومت کامیاب ہُوا؟ کیا شخصی حکومت کے شدلید سے بنی نوعِ انسان کو نجات مل گئی۔ کیا جمہوری حکومت کبھی صحیح معنوں میں قائم ہوئی؟ کیا جن ملکوں میں جمہوریت پر فخر کیا جا رہا ہے وہاں انسانی مسائل حل ہو گئے؟

جمہوریت پر مفکرینِ مغرب کی آراء آئیے ذرا اُن لوگوں کی سُنیئے جو جمہوریت کے علمبردار ہیں۔ اور

جن کی تقلید میں جمہوریت کو اپنا کر اسلام کی آغوش میں بٹھایا جارہا ہے۔

جمہوریت پرست مسٹر منکن اپنی ایک جدید تصنیف (Notes on Democracy) (نوٹس، آن ڈیموکریسی) میں لکھتے ہیں:۔

انیسویں صدی میں جمہوریت (Democracy) ایک آنے والی بہترین حکومت خیال کی جاتی تھی۔ مگر اب یہ خیال تبدیل ہو رہا ہے اور

Today Democracy is everywhere attacked, scorned and ridiculed and nowhere more than in the United States of America.

آج کل جمہوریت پر ہر جگہ حملے کیے جا رہے ہیں، جمہوریت سے نفرت کی جا رہی ہے اور اس پر پھبتیاں کسی جا رہی ہیں اور یہ سب سے زیادہ اضلاع متحدہ امریکہ میں ہو رہا ہے۔

یہ اس جگہ کی حالت ہے جو جمہوریت کا گڑھ تصور کیا جاتا ہے جسے جمہوریت کا صحیح نمونہ خیال کیا جاتا ہے۔

پھر مسٹر منکن (Mr, Menken) لکھتے ہیں:۔

The Democratic idea is incomparably idiotic and hence incomparably amusing

جمہوری خیال بلا مقابلہ احمقانہ بھی ہے اور بے مقابلہ حیرت انگیز بھی ہے۔

ویسکونٹ برائیس نے جمہوریت کے متعلق اس طرح اظہارِ خیال

فرمایا ہے۔

"ایک پارٹی کی تنظیم (Party Organisation) حکومت پہ قابض ہو جاتی ہے اور وہ پارٹی اپنی مکاریوں سے کسی طرح ہر چیز پر تسلط جما لیتی ہے۔"

یورپ کے ایک اور مفکر نے جمہوریت (Democracy) پر اس انداز سے روشنی ڈالی ہے:-

The Perfection of Democracy depends upon the Complete Civil and Political liberty by the citizens but the existence of a state in which all people enjoy civil liberty and all Equally share in exercising such authority as exists is in practice an impossibility.

"جمہوریت کی تکمیل کا انحصار تمام شہریوں کی کامل شہری اور سیاسی آزادی پہ ہے مگر ایسی ریاست کا وجود جس میں تمام لوگ شہری آزادی سے لطف اندوز ہوں اور ایسے اختیارات کو عمل میں لانے میں مساویانہ طور پہ بہرہ ور ہو سکیں۔ عملی طور پہ بالکل غیر ممکن ہے۔"

جمہوریت کا مفاد خواص کو ہے عوام کو نہیں	یہ ایک حقیقت ہے کہ جس سے

کسی شخص کو بھی انکار کی مجال نہیں کہ جمہوریت کے قیام سے کمزور انسانوں
پر ظلم و جور اور تشدد کا خاتمہ نہیں ہوا۔ صاحبانِ اقتدار تو اپنی وجاہت اور نمود
کی وجہ سے ملوکیت کے زمانہ میں بھی تشدد سے محفوظ بنے اور جمہوریت میں بھی
ہیں۔ صاحبانِ جاہ و ثروت پہلے بھی زندگیوں سے لطف اندوز تھے۔ اور اب
جمہوریت میں بھی ہیں۔ سوال تو ان عوام کا ہے جو اس جمہوریت کی تخلیق کا سبب
ہیں۔ جن کی تعداد اور قوت نے ارباب اقتدار کے ہاتھ میں اقتدار دیا ہے وہ
ملوکیت میں بھی نظر انداز ہوتے تھے اور اب بھی ہوتے ہیں۔ بہرحال جمہوریت
ایک "دل خوش کن نظریہ" ہے اور ایک "دلچسپ مفہوم" ہے۔ المختصر نظام
جمہوریت نے ان اغراض و مقاصد کو پورا نہیں کیا۔ جو اس کے متعلق عالم
خیال میں فرض کیے گئے تھے۔

کیا صاحبانِ اقتدار صحیح معنوں میں جمہور کے نمائندے ہوتے ہیں

تمام افراد جمہور اہل رائے نہیں ہوتے ان میں یہ سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی کہ کونسا امیدوار ہمارے لیے
مفید ہے اور کونسا مضر، کونسا مخلص ہے اور کونسا خود غرض۔ کونسا امیدوار اپنے
وعدوں کو جو اس نے انتخاب کے وقت کیے ہیں پورا کرے گا۔ اور کون ابن الوقت
بنکر ہماری ضروریات کو قابلِ اعتنا بھی نہیں سمجھے گا۔ کس قدر افراد جمہور ایسے ہیں
جن میں اپنی قوتِ ارادی کو صرف کرنے کی اہلیت ہے اور اس قدر اخلاقی جرأت
ہے کہ صحیح نمائندہ کو ہی رائے دیں۔ عام طور پر افراد جمہور خارجی اثرات کا شکار ہو
جاتے ہیں اور بڑی شخصیتوں سے مرعوب ہو کر اپنی رائے کو استعمال کرتے ہیں

بہت سے وقتی خوشامد اور چاپلوسیوں کے دام میں پھنس جاتے ہیں۔ جب یہ حالات ہوں تو ارباب اقتدار کو ہم جمہور کا صحیح نمائندہ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔ اسی لیے علامہ اقبال نے کہا ہے ؎

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو
کہ از مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید

"اس طریق جمہوری سے دور بھاگو اور کسی پختہ کار کے غلام بنو۔ کہ دو سو گدھوں کے مغز سے ایک انسانی فکر پیدا نہیں ہو سکتا۔"

علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

اس راز کو اک مرد فرنگی نے کیا فاش
ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے
جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

جمہوریت تعداد پر قائم ہوئی ہے اور اوصاف پر نہیں۔ اس لیے ایسا نظریہ قیام امن کا کس طرح کفیل ہو سکتا ہے جس میں عالم و جاہل، نیک و بد کا امتیاز نہ ہو۔

جمہوریت میں کامیابی کے راز

۱۔ کسی امیر کبیر، صاحب اقتدار کو اپنا بنا لیجئے۔ پھر اس کے دامن سے وابستہ لوگ آپ کے ہیں۔ کیا ممکن ہے کہ ایک رائے بھی آپ کے خلاف جائے۔

۲۔ جھوٹ پہ کمر بستہ ہو جئیے، لوگوں کو دل خوش کن وعدوں سے نوازیئے، خوب سبز باغ دکھلائیے، ایسے وعدوں سے بھی دریغ نہ کیجئے جن کا ایفا آپ کے

امکان میں بھی نہ ہو۔ پھر دیکھئے کہ کتنے سادہ لوح انسان آپ کے جال میں پھنس کر آپ کو اپنا نمائندہ بنانے کے لیے آمادہ ہیں۔

۳۔ چند اخلاق سے گرے ہوئے نڈر اور بے باک انسانوں کی حمایت کا شرف حاصل کیجئے۔ ان کی اخلاق سے گری ہوئی باتوں کی حوصلہ افزائی کیجئے۔ پھر اُن کے ووٹ بھی آپ کی جیب میں ہیں اور ان مظلوم انسانوں کے ووٹ بھی جو ان کے مظالم کا تختۂ مشق رہے ہیں۔ کیونکہ ایسے کمزور انسانوں کو ان کی رائے کے خلاف ووٹ استعمال کرنے کا حق نہیں ہے۔

۴۔ چور بازاری میں روپیہ کمایئے، رشوت ستانی سے دولت جمع کیجئے لوگوں کو ہر ناجائز طریق سے لُوٹئے اور جب الیکشن کا وقت آئے تو اس طرح کمائی ہوئی دولت کی تجوریوں کے منہ کھول دیجئے۔ پھر دیکھئے کہ آپ کس طرح کامیاب نہیں ہوتے۔

۵۔ جوڑ توڑ کی پالیسی میں حصول اقتدار کا راز مضمر ہے۔ تقسیم کرکے حکومت کرو (Divide and Rule) حصولِ اقتدار کا بہت بڑا گُر ہے۔

جمہوریت میں اختلالِ نظمِ حکومت

انتخاب کے وقت جو لوگ اربابِ اقتدار کو برسرِ اقتدار لاتے ہیں وہ اربابِ اقتدار کے محسن ہوتے ہیں اور وہ ہمیشہ اربابِ اقتدار سے "احسان کا بدلہ احسان" کے متمنی ہوتے ہیں، اور اربابِ اقتدار کے بل بوتے پر ارتکاب جرائم بھی کرتے ہیں۔ اربابِ اقتدار ان کی مدد کو اس لیے بھی اپنا منصبی فریضہ

سمجھتے ہیں کہ وہ آئندہ انتخاب کے موقع پر بھی اپنے احسانات کا اعادہ کریں گے
اس لیے ہر جرم پر ان کو قانون کی زد سے بچانے کے لیے کوشاں رہتے ہیں
اس لیے جمہوریت کی بدولت ملک کا نظم و نسق تباہ ہو جاتا ہے۔
ان بیانات کا نتیجہ یہ ہے کہ جمہوریت ایک جماعتی استبداد ہے جس میں
ایک پارٹی سازش کر کے شریک ہوتی ہے اور تمام افراد جمہور کو اپنے مکر و
فریب سے قبضہ میں لا کر اقتدار پر قابض ہو جاتی ہے۔ اس لیے امن و امان
جو جمہوریت کا مقصود ہے حاصل نہیں ہوتا۔ ملوکیت کے زمانہ میں بھی فتنہ و
فساد موجود تھا اور جمہوریت کے زمانہ میں بھی موجود ہے۔

جمہوریت کی بعض خامیاں

۱۔ جمہوریت میں ایک جماعت محض اس لیے با اقتدار بنا دی جاتی ہے، کہ وہ دوسری سے تعداد میں زیادہ ہے۔ صرف تعداد کی اکثریت حکمرانی کا حق پیدا کر دیتی ہے۔ کیا یہ نظریہ عدل و انصاف کے منافی نہیں؟

۲۔ حزب اقتدار حزب اختلاف کو کچلنے کے ہمیشہ در پے رہتا ہے۔ اور اس میں پوری کوشش صرف کرتا ہے، اس لیے جمہوریتوں میں ہمیشہ اختلاف و افتراق کی آگ سلگتی رہتی ہے۔ اور آخر خانہ جنگی کے شعلے بلند ہو کر ملک ملت کو تباہ کر دیتے ہیں۔

۳۔ جمہوریت میں پارٹی بازی اور عصبیت نہایت ضروری ہے۔ اس لیے حق پسندی اور حق گوئی کا وصف لوگوں میں معدوم ہو جاتا ہے۔

۴۔ اگرچہ کہا جاتا ہے کہ جمہوری ملک کی تمام جماعتیں قانون بنانے میں

حصہ لیتی ہیں مگر قانون سازی کے اختیارات صرف برسرِ اقتدار پارٹی کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔

۵۔ جمہوریت دنیا کے سیاسی نظریوں میں سب سے زیادہ دل فریب نظریہ ہے۔ اس میں شخصی آزادی کے سبز باغ موجود ہیں۔ ناداری اور سرمایہ داری کا بظاہر سوال موجود نہیں، انسانی قدر و قیمت کا علمبردار ہے مگر حقائق نے واضح کر دیا ہے کہ اصلیت اس کے برعکس ہے۔ اسلام جیسا حقائق پر مبنی مذہب اس قسم کے دلفریب، ضرر رساں نظریہ کو اپنانے کے موقف میں نہیں۔

سوالات

۱۔ دنیا میں جمہوریت کا قیام کن حالات میں ہوا، وجوہ قیام جمہوریت پر کون سے سوالات قابلِ غور ہیں؟

۲۔ مسٹر منکن (menkin) نے اضلاع متحدہ امریکہ میں جمہوریت کی کیا حالت بیان کی ہے اور انہوں نے جمہوریت کے متعلق اپنے کیا تاثرات بیان کیے ہیں؟

۳۔ ویکونٹ برائس نے جمہوریت پر اپنا کیا خیال ظاہر کیا ہے؟

۴۔ یورپ کے ایک مفکر نے جمہوریت کے لیے کیا شرائط قرار دیے ہیں اور کیا جمہوریت کبھی ان شرائط کو بروئے کار

لاسکتی ہے۔

۵۔ ثابت کیجیے کہ جمہوریت کا فائدہ خواص کے لیے ہے عوام اس سے محروم رہتے ہیں۔

۶۔ کیا صاحبانِ اقتدار صحیح معنوں میں جمہور کے نمائندے ہوتے ہیں؟

۷۔ جمہوریت میں کامیابی کے کیا راز ہیں؟ انہیں بیان کرو

۸۔ ثابت کیجیے کہ جمہوریت انتلال نظمِ حکومت ہے۔

۹۔ جمہوریت کی دوسری خامیوں کو بھی بیان کیجیے۔

چوتھا باب

مفہوم خلافت

لفظ خلافت "خلف" سے مشتق ہے۔ اس کے معنی ہیں کسی کی کسی کام میں جانشینی اور کسی کی جگہ کسی کو جانشین بنانا (صراح)

یہ فعل متعدی اور لازم دونوں طرح مستعمل ہے جیسے کسی کے پیچھے آنا باب ضرب سے ہے۔

استخلاف۔ کسی کو اپنی جگہ خلیفہ بنانا، یہ بھی محاورہ ہے کہ فلاں خلف فلاں۔ یعنی فلاں اس کی جگہ اس کے پیچھے بیٹھا۔

منتہی میں ہے، خلافت، کسی کام میں وہ اس کی جگہ قائم ہوا، اور اس کے بعد وہ باقی رہا۔

غیاث میں ہے۔ بہ کسر کسی کے بعد بجائے اس کے ہونا یہ معنی صاحب غیاث نے صراح منتخب اور کشف سے لیے ہیں۔

غیاث میں یہ بھی ہے کہ خلیفہ کسی کام میں کسی کے پیچھے آنے والا اور کسی کے قائم مقام ہونے والا، اور بادشاہ و ولی عہد۔

بہر طور خلافت عربی لفظ ہے۔ اس کا مادہ "خلف" ہے اس کا مطلب

نیابت اور قائمقامی ہے۔

جو جسے اپنا نائب بنائے اور قائمقام مقرر کرے وہ اس کا خلیفہ کہلائیگا

جسے رسول اپنا نائب اور قائم مقام مقرر کرے وہ خلیفۂ رسول کہلائے گا

اور نائب رسول ہوگا۔ اور جسے مسلمانوں کی جماعت مقرر کرے وہ خلیفۃ

المسلمین یا مسلمانوں کا نمائندہ کہلائے گا۔

یہ ظاہر ہے کہ کسی کا نائب یا خلیفہ وہ ہوگا جو اس کا قائم مقام ہو۔ اس کے

امور کو انجام دے جو امور الٰہیہ کو انجام دے وہ خلیفۃ اللہ ہوگا۔ سرکار رسالت

محمد مصطفےٰ اللہ کے خلیفہ تھے اس لیے ان کے بعد جو ان کے امور کو

انجام دے وہ خلیفۂ رسول بھی ہوگا اور خلیفۃ اللہ بھی۔

اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ سرکار رسالتؐ کن امور الٰہیہ کے انصرام

کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

هوالذی بعث فی الاُمیّین رسولاً منهم یتلوا علیهم من

اٰیاته وَیُزَکِّیهِم وَیُعَلِّمُهُم الکتاب وَالحِکمة۔

(سورۂ جمعہ آیت ۲ پ ۲۸)

وہ وہی خدا ہے جس نے امیّین میں ایک رسول ان ہی میں سے

مبعوث فرمایا۔ جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے۔ ان کو

پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب (قرآن حکیم) اور حکمت کی تعلیم دیتا

ہے۔ گویا سرکارِ رسالت کی اغراض بعثت چار ہیں:۔

۱۔ تلاوت آیاتِ الٰہیہ۔

۲- تزکیہ
۳- تعلیم کتاب (قرآن حکیم)
۴- تعلیم حکمت۔

اب رسول کا خلیفہ وہ ہو گا۔ جو ان امور چہار گانہ کو پورے طور پر انجام دے سکے۔
تلاوت آیات الہیہ کے منصب کو وہی نبھا سکے گا جو صحت سماعت صحت حافظہ رکھتا ہو اور سبقت لسانی سے محفوظ ہو۔

تزکیہ سے یہ مطلب ہے کہ وہ ظاہر و باطن کو پاک کرے۔ انسانی جسم، انسانی نفس اور انسانی روح کو پاک کرے اور انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں خواہ وہ اخلاق ہو یا معاشرت، تمدن ہو یا سیاست طہارت پیدا کرے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ پاک وہی کر سکے گا جو خود پاک ہو۔ یعنی معصوم ہو۔

تعلیم کتاب وہی کر سکے گا جو خود عالم علم کتاب ہو۔ اور پھر قرآن حکیم جیسی کتاب کا عالم جس کی شان "تبیان لکل شئی" ہے۔ یعنی جس میں ہر چیز کا بیان موجود ہے۔ وہ کتاب جس کا دعویٰ ہے کہ "ما فرطنا فی الکتاب من شئی" یعنی اس کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں چھوڑی۔ وہ جامع کتاب جو اعلان کر رہی ہے کہ لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین کوئی خشک و تر چیز ایسی نہیں جو اس کتاب مبین میں نہ ہو اس لیے ایسی کتاب کی تعلیم وہی دے سکے گا۔ جو ہر چیز کا عالم ہو۔ جہالت سے بالا

اور تر و خشک کی ماہیت کو جاننے والا ہو۔ اور وہی خلیفہ رسول ہوگا۔ ظاہر ہے کہ علم حاصل کر کے کوئی انسان اس درجہ پر فائز نہیں ہو سکتا۔ ایسا شخص وہی ہو سکتا ہے جس کا علم لدنی ہو اور وہ صحابہ میں حضرت علی علیہ السلام کے سوا کوئی اور نہیں ہے جو علی الاعلان دعویٰ کر سکتے ہیں کہ "سلونی قبل ان تفقدونی" مجھ سے پوچھ لو قبل اس کے کہ مجھے نہ پاؤ۔

اور تعلیم حکمت وہی دے سکے گا جو خود حکیم ہو۔

بہرحال رسول کی خلافت کا مفہوم یہی ہے کہ رسول اللہ کا خلیفہ وہی ہے جو تمام فرائض رسول کو انجام دے سکے اور دے اگر رسول اللہ صرف بادشاہ ہوتے۔ تو تخت سلطنت کو حاصل کرنے والے کو ہم ان کا خلیفہ کہہ سکتے تھے اب تو صرف وہی شخص خلیفہ رسول کہلانے کا مستحق ہوگا جو صفات رسول سے متصف ہو۔ اس خصوصیت کا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ان الفاظ میں اعتراف کیا ہے:۔

معلوم است کہ خلافت مشروط است بصفات کمال و احق بالخلافت اکمل مردم است در آں صفات[۱]۔

معلوم ہے کہ خلافت صفات کمال سے مشروط ہے اور خلافت کا سب سے زیادہ حقدار ان صفات میں سب سے کامل انسان ہے۔

بھلا اجماع، نص غیر معصوم، شوریٰ یا قہر و غلبہ کا صفات کمال سے کیا تعلق۔ اسی سبب ان طریقوں سے تخت سلطنت پر آنے والوں نے نہ کبھی عصمت کا

---

[۱] قرۃ العینین صد ۲۹ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۸۹۳ء۔

دعویٰ کیا، نہ عالم علم کتاب ہونے کا اور نہ حکیم ہونے کا۔ بلکہ جب آپ ان کے اقوال ان کے خطبات کا مطالعہ کریں گے۔ تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے اپنی خامیوں کا خود اپنی زبان سے اعتراف کیا ہے۔ خلیفہ رسول وہی ہے جو صفات رسول کا مالک ہے۔ صفاتِ کمال کا حامل ہے۔ اور ان صفات میں سب سے کامل انسان ہے خواہ وہ تختِ سلطنت پر ہو یا گوشہ نشین، وہ گوشہ نشینی میں بھی ان فرائض کو انجام دے گا جو اغراض بعثت سرکارِ رسالت ہیں۔

ہاں سرکارِ رسالت کی بادشاہت بھی نہ مبنی بر اجماع تھی نہ مبنی بہ شوریٰ نہ قہر و غلبہ سے حاصل ہوئی تھی نہ نصِ غیر معصوم سے۔ بلکہ وہ ایک ایسی حکومت تھی جس کو انہوں نے خود اپنے عمل سے پیش کیا تھا اسے ایک سُنّی نامور مورّخ مسٹر خدا بخش اپنی کتاب Politics in islam میں اس طرح بیان کرتا ہے:۔

Muhammed, not only founded a new Religion but established a new Polity but converting his country men to the faith of one God, he Destroyed the old constitution of the native town and in place of old Aristocratic Tribal constitution, which meant conduct of Public Affairs, by the

ruling famalies set up an out-and-out theocratic constitution at the head of which he stood as the representative of God on earth.

(Politics in Islam Page 145)

حضرت محمدؐ نے ایک جدید مذہب ہی قائم نہیں کیا تھا۔ بلکہ ایک جدید سیاست اور حکومت بھی قائم کی تھی۔ اپنے ہم وطنوں کو خدائے واحد کے اعتقاد کی طرف لا کر انھوں نے اپنے شہر کی پرانی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ اور پرانی قبیلوں کی سرداری کی جگہ جو امیر خاندانوں کی حکومت کے مرادف تھی انھوں نے حکومتِ الٰہیہ قائم کی جس کے سردار وہ خود تھے۔ کیونکہ وہ زمین پر خلیفہ و نائب خدا یا نقیبِ خدا یا نمائندہ خدا تھے۔

اس لیے اس جدید سیاست یا نئی طرزِ حکومت میں خلافت کا مفہوم اللہ کی نقابت، اللہ کی نیابت، اللہ کی نمائندگی ہی ہوگا۔ اس لیے ایسا خلیفہ خلیفۂ رسول بھی ہوگا اور خلیفۂ خدا بھی۔

مسلمانوں نے اس جدید سیاست کو ترک کر دیا اس نئی حکومت کو بدل کر رجعت قہقری اختیار کی اور اپنی ایڑیوں پر پلٹ گئے جس کا موجودہ زمانہ کے مورخین کو خود اعتراف ہے۔

چنانچہ تاریخ خلافت اسلامیہ المعروف تاریخ اسلام کے تین پروفیسر ایم اقبال ایم۔اے۔ایل۔بی۔ گورنمنٹ کالج راولپنڈی، ڈاکٹر پیر محمد حسن

ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی گورنمنٹ کالج راولپنڈی، اور ایم اکرام بٹ ایم اے لیکچرار شعبہ تاریخ گورنمنٹ کالج لائل پور لکھتے ہیں:۔

قدیم عربی رسم کے مطابق قوم کا سردار قوم کے لوگ اکثریت رائے سے منتخب کرتے تھے چنانچہ یہی طریق حضرت ابوبکر کے انتخاب کے وقت استعمال کیا گیا۔[۱]

اس کے ساتھ ہی ان فاضل مورخین نے ہمارے مفہوم خلافت کو بھی زیر عنوان "خلافت کے معنٰی" تسلیم کر لیا ہے۔ لکھتے ہیں۔ "خلیفہ کے لفظی معنٰی "زمین پر خدا کا نائب ہیں۔" یعنی خلیفۃ اللہ" (تاریخ خلافت اسلامیہ ص۶۳) العجب نائب خدا کا ہوگا اور اسے قدیم عربی رسم کے مطابق لوگ اکثریت رائے سے منتخب کریں گے۔

دورِ حاضر کے دو نامور مورخوں یعنی پروفیسر سید عبدالقادر مرحوم اور پروفیسر محمد شجاع الدین ایم۔اے نے مفہومِ خلافت کے زیرِ عنوان مولانا ابوالکلام آزاد کا قول نقل کیا ہے:۔

نوعِ انسان کی ہدایت اور بہتری کے لیے ایک خاص ذمہ دار حکومت قائم ہو جو دنیا کو جور و جفا سے نجات دلائے اور امن و سکون کا ماحول پیدا کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کا قانونِ عدل جسے قرآنی اصطلاح میں صراطِ مستقیم کہتے ہیں زمین کے گوشے گوشے میں جاری ہو کرۂ ارضی کو سعادتِ ارضی کی ایک بہشتِ زار بنا دے۔[۲]

۱۔ تاریخ خلافت اسلامیہ ص۶۵

۲۔ تاریخ اسلام پروفیسر سید عبدالقادر و پروفیسر محمد شجاع الدین ص۱۶۷

یہ مقصد تو خلافت کے اس نظریہ سے ہی پورا ہو سکتا ہے۔

"اللہ کی حکومت اللہ کے معصوم نمائندوں کے ذریعہ اللہ کی مخلوق پر" اور قانون تبائن کی رو سے اللہ کا نمائندہ وہی ہو سکتا ہے جو عصمت اور علم کے طبعی رجحانات (Natural Tendecies) لے کر پیدا ہو۔ اس لحاظ سے خلیفہ پیدا ہوتا ہے۔ لوگوں کی کثرت رائے سے بنایا نہیں جاتا۔ جو لوگوں کی کثرت رائے سے بنایا جائے وہ نہ خلیفۃ اللہ ہے نہ خلیفہ رسول بلکہ خلیفۃ المسلمین ہے۔

سوالات

۱۔ خلافت کے مفہوم پر لغت اور اصطلاح کے لحاظ سے روشنی ڈالیے۔

۲۔ بتلاؤ کہ سرکار رسالت کس اعتبار سے اللہ کے خلیفہ تھے اور اس لحاظ سے رسول اللہ کا خلیفہ کون ہوگا؟

۳۔ تزکیہ کے فریضہ کو کیسا شخص انجام دے سکے گا، اور تلاوت کلام کے لیے کن صفات کی ضرورت ہے؟

۴۔ کتاب اللہ قرآن حکیم کی کیا شان ہے اور اس لحاظ سے معلم قرآن کے لیے کن شرائط کا ہونا ضروری ہے۔

۵۔ شاہ ولی اللہ کے نزدیک خلافت کس امر پر مشروط

ہے۔ کیا جو خلیفہ اجماع استخلاف، شوریٰ یا غلبہ سے خلیفہ بنے۔ وہ اس شرط پر پورا اتر سکتا ہے ؟

۶۔ شرائط چہارگانۂ خلافت سے خلیفہ ہونے والوں نے اہلیت خلافتِ رسول کا دعویٰ کیا ہے۔ ان کے اقوال کے لحاظ سے ان کی پوزیشن کیا ہے ؟

۷۔ کیا سرکارِ رسالتؐ کی سلطنت کو ان شرائط چہارگانہ سے کوئی نسبت ہے ؟ آپ کی سلطنت کیسی تھی ؟

۸۔ دورِ حاضر کے مورخین کے آرا ان سلطنتوں کے متعلق لکھیے۔ جو سرکار رسالت کے بعد قائم ہوئیں۔

۹۔ قانونِ تبائن کے لحاظ سے خلیفۃ اللہ و خلیفہ رسول کے لیے کن رجحاناتِ طبیعہ کی ضرورت ہے ؟
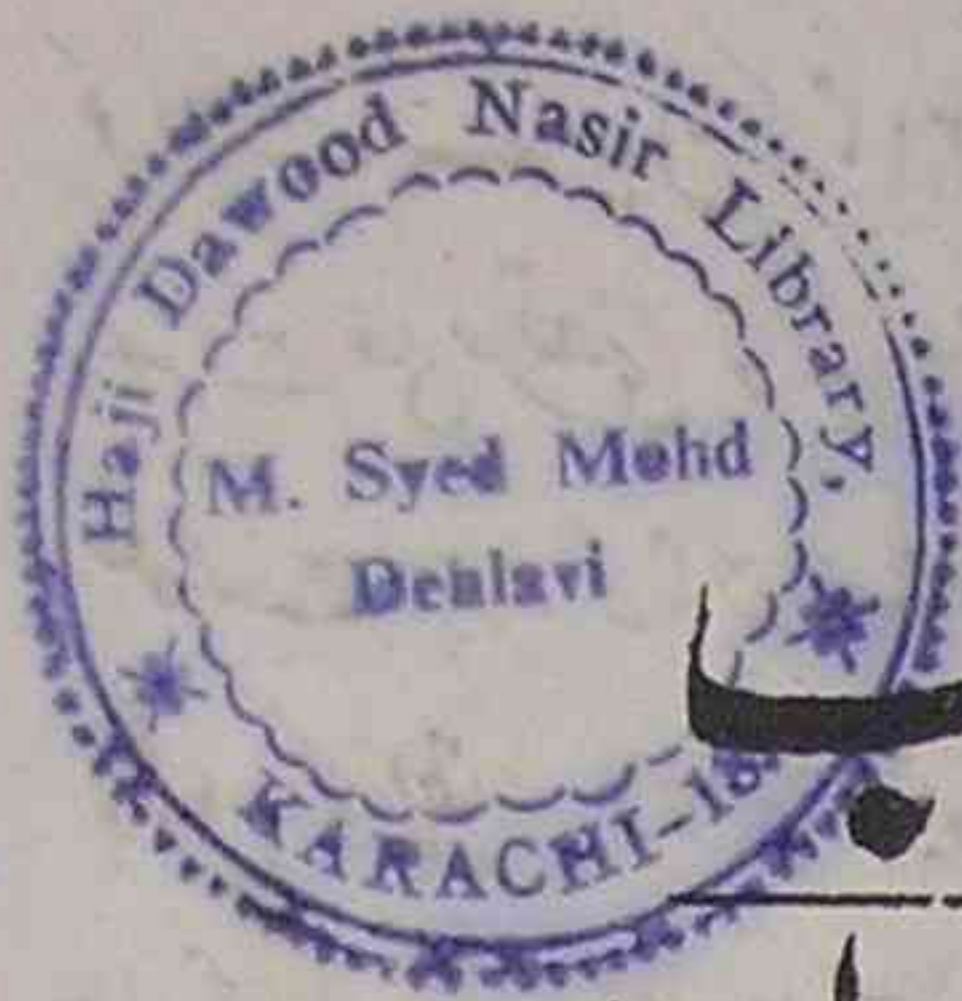
پانچواں باب

حضرت ابوبکر خلیفۃ المسلمین
کا
دورِ سلطنت

ربیع الاول ۱۱ھ تا جمادی الثانی ۱۳ھ

جون ۶۳۲ء تا اگست ۶۳۴ء

تقریباً دو سال دو ماہ

جذبۂ حصولِ اقتدار

سرکارِ رسالتؐ کا اپنی زندگی میں مدینہ سے باہر تشریف لے جانے پر اپنی طرف سے حاکم مقرر کرنا ہر شخص کے دل میں یہ خیال پیدا کر رہا تھا کہ رسول اللہؐ کے بعد اس حکومت کا کوئی ضرور وارث ہوگا۔ اسی خیال نے ہی نشو و نما پاکر صحابہ کو دو جماعتوں میں تقسیم کر دیا۔ سرکار رسالتؐ کے حضرت علی مرتضیٰؑ کے متعلق اعلانات، ان کے فضائل

کو کثرت سے بیان کرنا اس امر پر روشنی ڈال رہا تھا کہ حضور اپنے بعد
حضرت علی مرتضیٰ کو ہی سلطنت کا حقدار سمجھتے ہیں۔ اور انہیں عنانِ
حکومت سپرد کرنا چاہتے ہیں۔ اعلان خم غدیر کی وضاحت نے تو
لوگوں کو یقین دلا دیا کہ نبوت اور حکومت خاندان بنی ہاشم میں جمع ہو
جائے گی۔ اور اس طرح یہ خاندان مستقل طور پر حکمران ہو جائے گا۔

وہ لوگ جو عارفِ شانِ نبوت تھے وہ جانتے تھے کہ نبی کا مرتبہ
خواہشات اور خود غرضیوں سے بالا و برتر ہے۔ جو کچھ وہ فرما رہے ہیں
وہی منشائے الٰہی ہے اور یہ اعلانات خاندان کی محبت پر مبنی نہیں ہیں
بلکہ ان صفات پر ہیں جو حکومتِ الٰہیہ کے نمائندہ کے لیے ضروری ہیں۔
لیکن وہ لوگ جو نبی کو اپنے جیسا سمجھتے تھے اور انہیں انسانی کمزوریوں سے
بلند و برتر نہیں جانتے تھے۔ انہوں نے ان ارشادات اور اعلانات کو قبیلہ
پروری پر محمول کیا۔ اور ان لوگوں میں حکومت پر قبضہ کرنے کے خیالات
نشو و نما پانے لگے۔ انہوں نے اس خیال کی خوب نشر و اشاعت کی
کہ نبوت اور خلافت ایک ہی خاندان میں جمع نہیں ہونا چاہیئے چنانچہ
اس تخیل کا اس مکالمہ سے پتہ چلتا ہے جو حضرت عبداللہ ابن عباس اور
حضرت عمر میں ہوا۔ ہم بقدر ضرورت اسے نقل کرتے ہیں:۔

"حضرت عمر" "میں جانتا ہوں کہ تمہاری قوم تمہارا سردار ہونا گوارا نہیں
کرتی تھی۔"

حضرت عبداللہ ابن عباس۔ "کیوں؟!"

حضرت عمر۔ "وہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آجائیں[1]"

مہاجرین کی سکیم
چنانچہ جن مہاجرین کے دل میں حصولِ اقتدار کا جذبہ موجزن تھا انھوں نے اس سلسلہ میں ایک سکیم بنالی تھی۔ اور طے کر لیا تھا کہ رسول اللہ کے بعد حکومت کو کس ترتیب سے قائم کرنا ہے۔

حضرت عمر کے بیٹوں عبداللہ اور عبیداللہ سے مروی ہے کہ زمانہ رسول اللہ میں ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ جناب رسول اللہ کے بعد سب سے افضل ابوبکر، پھر عمر پھر عثمان ہیں[2]۔

حذیفہ بن یمان سے مروی ہے کہ لوگوں نے مدینہ میں حضرت عمر سے پوچھا کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ عثمان ابن عفان[3]

مطرف کہتے ہیں کہ حضرت عمر کے زمانہ میں لوگوں کو مطلقاً اس میں شک نہیں تھا کہ عمر کے بعد عثمان خلیفہ ہوں گے[4]۔

اہم سیاسی اصول اخفا
دنیاوی سیاست کا یہ مانا ہوا اصول ہے کہ اپنا اصلی مدعا اس وقت تک پوشیدہ رکھا جائے جب تک اس کی کامیابی کے امکانات پیدا نہ ہو جائیں۔ کیونکہ حقیقی

---

[1] الفاروق حصہ اول ص۲۰۴ و ص۲۰۵ بحوالہ تاریخ طبری جلد ۵ ص۳۰ ص۳۱ و ص۳۲۔ تاریخ کامل جلد ۳ ص۲۴ و ص۲۵۔ [2] فتح الباری ابن حجر عسقلانی ج ۷ ص۱۴
[3] کنز العمال علی متقی جلد ۳ ص۱۵۸ [4] کنز العمال ج ۳ ص۱۶۰

مدعا کے قبل از وقت اظہار سے لوگوں کو بہت کچھ سوچنے کا موقعہ مل جاتا ہے۔ اور اسے ناکام بنانے کے لیے مختلف تحریکات وجود میں آجاتی ہیں اور مخالفانہ جدوجہد شروع ہو جاتی ہے۔

حضرت عمر کی سیاسی بصیرت

جب ہم حضرت عمر کے اس اصول کو عملی جامہ پہنانے پر غور کرتے ہیں تو حضرت عمر کو اس کے موجد تسلیم کرنے کو دل چاہتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر حضرت عمر اپنی جماعت میں اپنے سوچے سمجھے ہوئے خلیفہ کا نام لے دیتے تو بنی تیم اور بنی عدی کا سوال پیدا ہو جاتا۔ اور خلافت کبھی حضرت ابوبکر تک نہ پہنچتی اور ایسے لوگ اس پر قابض ہو جاتے جنہیں خلیفہ بنانا حضرت عمر کے مقاصد کے خلاف تھا۔ حضرت ابوبکر کے نام کو پوشیدہ رکھنے میں یہ سیاسی مصلحت تھی کہ پارٹی کا ہر فرد عہدۂ خلافت کا امیدوار رہے اور اس امید میں وہ پارٹی کے مقاصد میں کوشاں رہے۔ حضرت عمر عربوں کو خوب جانتے تھے۔ اگر حضرت ابوبکر کو حضرت عمر نامزد فرما دیتے تو ان کی مخالفت اسی طرح شروع ہو جاتی جس طرح حضرت علی کی ہو رہی تھی۔ اور حصولِ اقتدار پر قبضہ کرنے کے متمنی صاف کہتے کہ جب ہم رسول اللہ کے نامزد کو نہیں مانتے تو حضرت عمر کے نامزد کو کیوں مانیں۔ اس لیے انہوں نے حضرت ابوبکر کو خلافت کے لیے اس وقت پیش کیا۔ جب پیش نہ کرنا مقصد کو ختم کر دیتا۔ فوری طور پر ان کا نام لینا اور پبلک کو سوچنے کا موقعہ نہ دینا حضرت عمر کی ڈپلومیسی کا برجستہ شاہکار ہے۔ حضرت ابوبکر

کی خلافت فلتتہً تھی۔ یعنی ناگہانی اور بلا سوچے سمجھے۔ اور حضرت عمر نے کامیابی کے بعد اس کا خود اعلان کر دیا کہ حضرت ابوبکر کی بیعت فلتتہ تھی یعنی بلا سوچ بچار کے ہو گئی تھی۔

انصار کی فراست اور ان کی نیت

اگرچہ مہاجرین کی یہ تدابیر آہستی پردے میں نشو و نما پا رہی تھیں مگر انصار بھی بہت ذکی الحس تھے۔ نہایت ذہین اور فہیم تھے اگرچہ مہاجرین کی سکیموں اور ان کی تجاویز کی جزئیات کا انہیں علم نہیں تھا۔ مگر تاہم اس قدر ضرور جانتے تھے کہ حصولِ اقتدار کے لیے مہاجرین میں مشورے ہو رہے ہیں۔ تجاویز مرتب کی جا رہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر حضرت علی علیہ السلام کو ہی خلیفۂ رسول کے منصب پر فائز دیکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ان کی اس نیت کی تاریخ نے ان الفاظ میں نقاب کشائی کی ہے۔

فقالت الانصار او بعض الانصار لا نبائع الا علیاً

انصار یا ان میں سے اکثر نے صاف کہہ دیا کہ ہم تو سوائے علیؑ کے اور کسی کی بیعت نہیں کریں گے۔[1]

حضرت ابوبکر

آپ کا نام عبد اللہ کنیت ابوبکر لقب عتیق ہے۔ آپ کے والد کا نام ابو قحافہ تھا۔ اور قریش کی شاخ بنی تیم سے تعلق رکھتے تھے کہا جاتا ہے۔ کہ حضرت ابوبکر زمانہ جاہلیت میں تجارت پیشہ تھے۔ ویسے وہ کسی پیشہ کو عیب نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ وہ اونٹنیوں اور

---

[1] تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۲ ص ۱۲۴۔

بھیڑوں کا دودھ دوہا کرتے تھے۔ اور یہ آپ کا ذریعہ معاش تھا۔ تاریخوں میں ہے:

"آپ قبائل کی بکریوں اور بھیڑوں کا دودھ دوہا کرتے تھے۔ جب آپ خلیفہ ہو گئے تو ایک لڑکی نے آپ سے کہا۔ کیوں اب آپ ہماری بھیڑوں کا دودھ کاہے کو دوہیں گے۔ آپ نے فرمایا۔ یقیناً میں ایسا کروں گا۔"[1]

آپ رسول اللہ سے تقریباً دو ڈھائی سال چھوٹے تھے۔ آپ نے بعثت کے ابتدائی زمانہ میں اسلام اختیار کیا۔ اور ہجرت کر کے مدینہ میں آباد ہو گئے۔ آپ کی دختر حضرت عائشہ عقد سرکارِ رسالت میں آئیں۔ اس طرح آپ کو رسول اللہ کے خسر ہونے کا فخر حاصل ہوا۔ جب سرکارِ رسالت نے رحلت فرمائی تو آپ اس وقت مدینہ طیبہ میں موجود نہیں تھے۔ بلکہ موضع سنخ میں تشریف فرما تھے۔ آپ بعد وفات رسول حصولِ خلافت کے لیے جدوجہد فرما رہے تھے۔ اس لیے آپ کو سرکارِ رسالت کی تجہیز و تکفین میں شرکت کی سعادت نصیب نہ ہوئی۔

قضیہ بیعت حضرت ابی بکر (سقیفہ بنی ساعدہ)

وفات سرکارِ رسالت وفات سرکارِ رسالت کے وقت حضرت ابوبکر موضع سنخ میں تھے البتہ حضرت عمر موجود تھے

[1] تاریخ طبری جلد ۴ ص ۵۳ مطبوعہ مصر۔ تاریخ کامل جلد ۲ ص ۱۲۳ طبع مصر

جب آنحضرتؐ کی وفات ہوئی تو حضرت عمر نے کہا کہ منافقین کو گمان ہے کہ رسول اللہؐ فوت ہوگئے مگر بخدا حضرت فوت نہیں ہوئے[1]۔

حضرت عمر نے اس وقت یہ بھی فرمایا کہ جو یہ کہے گا کہ رسول اللہؐ کا انتقال ہوگیا۔ میں اس کو اپنی تلوار سے قتل کروں گا[2]۔

حضرت عمر کے اس قول کو سن کر لوگ شک میں پڑ گئے کہ آنحضرتؐ کا انتقال ہوا ہے یا نہیں۔ حضرت ابوبکر کو رسول اللہؐ کے انتقال کی خبر دی گئی تو وہ فوراً سوار ہو کر روتے ہوئے اور واحمداہ کہتے ہوئے روانہ ہوئے۔ اور مسجد نبوی میں پہنچ کر دیکھا کہ لوگ پریشان حال ہیں[3]۔

حضرت ابوبکر نے لوگوں کی یہ حالت دیکھ کر آیہ:

وما محمدٌ الا رسول قد خلت من قبله الرسل افانِ مات او قُتِلَ انقلبتم علی اعقابکم۔

پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "نہیں ہیں محمدؐ مگر اللہ کے رسول، اگر مر جائیں یا قتل ہوجائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر الٹے پھر جاؤ گے۔" جس کو سنکر لوگ متنبہ ہوئے اور ان کو رسول اللہؐ کی وفات کا یقین ہوگیا[4]۔

ارباب سیاست کا طریق کار

پھر وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف روانہ ہوئے۔ عام طور پر رئیس مملکت یا بادشاہ کی موت کو اس وقت تک چھپانا

---

[1] تاریخ ابن جریر ذکر وفات رسول [2] کتاب الملل والنحل شہرستانی [3] روضۃ الاحباب ذکر وفات رسول [4] تاریخ ابوالفدا ذکر وفاتِ رسول۔

ارباب سیاست کا طریق کار ہے۔ جب تک حصولِ اقتدار کی جدوجہد کے لیے پارٹی کے اہم افراد جمع نہ ہو جائیں، سرکارِ رسالت کی وفات سے انکار میں یہی سیاسی مصلحت کارفرما تھی۔ کیا حضرت عمر تلاوتِ قرآن مجید نہیں فرماتے تھے؟ کیا انہوں نے اس آیت کو نہیں پڑھا تھا؟ کیا تاریخ انبیاء ان کے پیشِ نظر نہیں تھی؟ اس طرح حضرت عمر کی پوزیشن کو کم کرنے کی بجائے یہی بہتر ہے کہ اس حقیقت کو تسلیم کر لیا جائے کہ ان کا انکار سیاسی مصالح کی بنا پر تھا۔ چنانچہ جب پارٹی کے اہم ارکان جمع ہو گئے تو وہ رسول اللہ کو بے گور و کفن چھوڑ کر اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے روانہ ہو گئے۔ یہ حضرت عمر کا ایک نمایاں سیاسی اقدام تھا۔ جس سے کوئی فرد بھی ان کے ڈپلومیٹ ہونے سے انکار نہیں کر سکتا۔ الغرض اس طرح حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کی معیت میں سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف روانہ ہوئے۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کا اجتماع اور اسکے اسباب

قبل قبول اسلام انصار اپنے علاقہ میں حکمران تھے۔ یثرب اپنی حکومت رکھتا تھا (Self Ruling city) جب یثرب سرکار رسالت ص کے قدوم کی برکت سے مدینۃ النبی، مدینہ طیبہ، مدینہ منورہ یا مدینۂ مبارکہ بنا تو حضور کی روحانی قیادت کے آگے انہوں نے اپنی گردنیں جھکا دیں۔ اور انہیں برضا و رغبت حکمران تسلیم کر لیا۔ انصار نے مہاجرین کو اپنے وطن میں آنے کی دعوت دی۔ انہیں

سر آنکھوں پر بٹھلایا۔ اپنے گھروں میں جگہ دی، اپنا اور اپنے کنبہ کا پیٹ کاٹ کر انہیں کھلایا۔ اپنے لقمہ سے توڑ کر لقمہ ان کو دیا۔ پھر اسلامی حکومت قائم ہوئی۔ رسول اللہؐ نے ربانی مصالح کے پیش نظر مہاجرین کو غنیمت کے مال سے انصار سے بڑھ کر حصہ دیا۔ انصار میں وقتی طور پر بددلی پیدا ہوئی مگر رسول اللہؐ کے سمجھانے پر مطمئن ہو گئے۔ چونکہ حضورؐ کے احکام کی اطاعت کو وہ اللہ کی اطاعت سمجھتے تھے، لیکن جوں جوں رسول اللہ کی سرداری مستقل حکومت کی صورت اختیار کرتی گئی انصار کے دلوں میں بھی اس خیال نے جگہ لینی شروع کی۔ کہ آپ کے بعد اس حکومت کو کون سنبھالے گا۔ کیا وہ ایسا شخص ہوگا جو ان کے ساتھ عدل و مساوات سے ویسا ہی سلوک کر سکے۔ جیسا رسول اللہ کر رہے تھے۔ اگر ان کو یہ یقین ہو جاتا کہ رسول اللہ کے بعد ان کی خواہش کے مطابق جامع جمیع شرائط خلافت حضرت علیؑ مسندِ حکومت پر متمکن ہو سکیں گے تو وہ مطمئن ہو جاتے۔ مگر جب انہوں نے مہاجرین کے بدلے ہوئے تیوروں کا مطالعہ کیا، انہیں فراست کی نگاہوں سے بھانپا، ان کے خفیہ مشوروں پر نظر کی، آنے والے واقعات سے پریشان ہو گئے۔ اگر مہاجرین کو انصار مخالفتِ علیؑ پر کمربستہ نہ دیکھتے اور ان کی طرف سے حصولِ اقتدار کی جد و جہد شروع نہ ہو جاتی تو انصار کبھی اس کی ابتدا نہ کرتے۔ یہ حضرت عمرؓ ہی کی پارٹی کا طرز عمل تھا جس نے انصار کو بنی سقیفہ میں جمع ہونے پر مجبور کیا۔

انصار کے اس فعل کو ہم نظرِ استحسان سے نہیں دیکھتے

مانا کہ انصار کا اس طرح جمع ہونا کسی بدنیتی پر مبنی نہیں تھا۔ حالات ہی ایسے پیدا ہو چکے تھے جس پر وہ اس اقدام پر مجبور تھے۔ تاہم تقررِ خلیفہ کے لیے جلد بازی مانا کہ وہ پیش بندی اور اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے تھی۔ تاہم یہ جد و جہد کسی طرح مستحسن خیال نہیں کی جاتی۔

باوجودیکہ ہم اس جد و جہد کو نظرِ استحسان سے نہیں دیکھتے مگر جن اسباب پر انصار یہ اجتماع کرنے پر مجبور ہوئے۔ ان سے چشم پوشی مورخانہ گناہ سمجھتے ہیں۔

اسبابِ اجتماع کی تفصیل

۱۔ انصار نے اسلام کو اپنے ہاں پناہ دی۔ اسلام کی مخالف طاقتوں سے ٹکرائے۔ مجمع عرب کا مقابلہ کیا۔ اور غزوات میں اپنی جان نثاری اور فداکاری کا ثبوت دیا۔ ہر معرکہ میں اسلام کے عَلم کو بلند رکھا۔ پھر اگر مہاجرین خاندانِ رسالت کو اس منصب پر پہنچنے نہ دیں تو انصار سمجھتے تھے کہ خدمات کے لحاظ سے خاندانِ رسالت کے بعد ہمارا حق ہے کہ ہم اس منصب پر فائز ہوں۔

۲۔ ان کا یہ پختہ یقین تھا کہ مہاجرین سرکارِ رسالت کی خلافت و نیابت کو مستحق ہاتھوں تک پہنچنے ہی نہیں دیں گے۔ پھر انہیں اندیشہ تھا اور اسی اندیشہ سے وہ سہمے ہوئے تھے کہ حکومت کی

باگ ڈور کہیں ایسے ہاتھوں میں نہ پہنچ جائے جن کے آباؤ اجداد، اعزا و اقارب کو اسلام کی حمایت میں موت کے گھاٹ اتارا ہے، اگر ایسے لوگ برسرِ حکومت آ گئے تو وہ ہم سے پورا پورا بدلہ لیں گے۔ ان کا یہ اندیشہ سولہ آنے صحیح ثابت ہوا، بنی امیہ کے وہ لوگ جو فتح مکہ تک مخالفتِ اسلام میں میدان میں ڈٹے رہے تھے اور آخر اسلام کو شکست خوردہ ذہنیت سے قبول کیا ان کا اسلام، اسلامی غلبہ سے مجبور ہو کر جھکنا تھا۔ رسول اللہؐ جانتے تھے کہ انہیں امورِ سلطنت میں شامل کرنا اور ان کو حکومت کی ذمہ داریاں سپرد کرنا، اسلام کے لیے تباہی کے سامان مہیا کرنا ہے۔ اس لیے بھی انہیں ذمہ دارانہ مناصب سپرد نہ کیے البتہ تالیفِ قلوب کے لیے انہیں کم و بیش مالی مدد دیتے رہے تاکہ اگر ان پر نہیں تو ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا اثر ان کی آئندہ نسلوں پر پڑے۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں یہ لوگ فتوحات کے دروازہ سے قصرِ اقتدار میں داخل ہوئے۔ ان کی فوجی خدمات کے معاوضہ میں ان کو شام جیسے صوبہ کی گورنری الاٹ ہوئی۔ اور پھر استبدادی حکومت کے درجہ تک پہنچی۔ وہ مسلمانوں کی ساری سلطنت کے واحد مالک تھے اور انہوں نے خاندانِ رسالت اور انصار پر وہ مظالم بپا کیے جو سلیم الطبع انسانوں کو خواہ کسی مذہب و ملت سے تعلق رکھتے ہوں، خون کے آنسو رلائیں گے۔ ان اسباب کے پیشِ نظر ہم وفاتِ رسولؐ کے وقت انصار کی نفسیاتی کیفیتوں کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔ ان کی یہ جدوجہد جارحانہ (Offensive) حیثیت سے بڑھ کر (Defensive

حیثیت کی تھی - مگر ان کی کمزوریوں نے ان کی باہمی پھوٹ نے ان
باہمی حسد نے ان کے مقاصد کو پروان چڑھنے نہ دیا - ان کا یہ کہنا کہ ا
امیر تم میں سے ہو اور ایک ہم میں سے، یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ خلا
کو اس لیے نہیں چاہتے تھے کہ امتِ اسلامیہ کے مالک بن بیٹھیں - بلکہ
انتہائی مدعا تھا کہ جن لوگوں سے ضرر پہنچنے کا امکان ہے ان کی ایذا
نا امکان باقی نہ رہے - اس لیے وہ خلافت میں شرکت پر اتر

۴- انصار کو اندیشہ تھا کہ اگر مہاجرین اقتدار کی مسند پر پہنچ گئے تو وہ
زرّین خدمات کے باوجود ہمیں ہمیشہ نظر انداز کیے رہیں گے - چنانچہ
واقعات نے ان کے اس اندیشہ کو صحیح ثابت کیا -

ا- جب حضرت عمر کی وفات کا وقت آپہنچا تو لوگوں نے انہیں اپنا جا
مقرر کرنے کے لیے التجا کی - انھوں نے چند ایسے مرنے والوں کے
لیے کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلافت کے لیے نامزد کرتا
میں سے انصاری ایک بھی نہیں تھا - بلکہ صریحاً کہہ دیا کہ انصار کا خ
میں حصہ نہیں -

ب- شوریٰ کے وقت آپ نے لوگوں کو یا معاشر المہاجر
کہہ کر مخاطب کیا انصار کو مطلقاً نظر انداز کر دیا اور فرمایا احضروا
من شیوخ الانصار لیس لهم من امرکم شیئاً -
وہ ان مشاورت میں تم انصار کے چند بڑے آدمیوں کو تو بلا
امر میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے[1] خلافت کو آپ نے

[1] کتاب الامامۃ والسیاسۃ صد ۲۲

امر یعنی مہاجرین کا معاملہ کھا۔

ج ۔ الفاروق حصہ ۲ ص ۳۸ و ص ۳۹ پر حضرت عمر کے زمانہ کے عمال کی فہرست موجود ہے۔ ان میں بنو امیہ اور دشمنانِ علی کثرت سے موجود ہیں اور سوائے ایک کے کوئی انصاری نظر نہیں آتا۔

سقیفہ بنی ساعدہ

حصول اقتدار کے لیے جد و جہد حضرت عمر کی پارٹی نے شروع کی تھی انصار نے ابتدا نہیں کی۔ جیسا کہ حضرت عمر کے اپنے بیان سے جسے صحیح بخاری نے درج کیا ہے۔ ظاہر ہے۔ فرماتے ہیں۔ حین توفی اللہ نبیہ ان الانصار خالفونا واجتمعوا باسرھم فی سقیفہ بنی ساعدہ وخالف عنا علی والزبیر ومن معھما۔ جب خدا نے اپنے پیغمبر کو اٹھا لیا تو سب انصار نے ہماری مخالفت کی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور علی اور زبیر اور دونوں کے ساتھیوں نے بھی مخالفت کی (صحیح بخاری پ ۲۸، ص ۳۶۶ کتاب محاربین باب رجم الحبلی) اگر وفات رسول کے وقت حضرت عمر کی پارٹی کچھ کر نہیں رہی تھی تو پھر مخالفت کیسی؟

المختصر سرکار رسالت کے ارتحال پر ملال کے بعد مہاجرین کے ان عزائم حصول اقتدار کے پیش نظر انصار سعد بن عبادہ کے گرد جمع ہوئے اور انہیں وفات سرکار رسالت کی خبر دی اور مہاجرین کے ارادوں سے آگاہ کیا۔ سعد بیمار تھے انہوں نے اپنے بیٹے قیس سے کہا کہ مجھ میں تو مرض کی وجہ سے اس مجمع کو

مخاطب کرنے کی طاقت نہیں۔ لیکن تو مجھ سے سنتا جا اور انہیں باآواز بلند پہنچا
جا، سعد اپنے بیٹے سے آہستہ آہستہ کہے جاتے تھے اور ان کا بیٹا
تمام لوگوں کو اس قدر بلند آواز سے سنائے جا رہا تھا کہ تمام مجمع سُن لے۔

سعد بن عبادہ کی تقریر حمد و ثنائے الٰہی کے بعد حضرت سعد نے انصار کو اس طرح مخاطب کیا۔

"اے گروہ انصار! تم کو دین میں سبقت حاصل ہے اور اسلام میں ایسی فضیلت حاصل ہے جو عرب کے کسی اور قبیلہ کو نہیں ہے کیونکہ جناب رسالتمآبؐ اپنی قوم میں بارہ سال تک تبلیغ فرماتے رہے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف دعوت دیتے رہے مگر ان کی قوم میں سے تھوڑے سے لوگ ایمان لائے۔ بخدائے عزّوجل ان میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ سرکار رسالتؐ کی حمایت کرتے اور ان کو عزت کے ساتھ رکھتے۔ وہ آنحضرتؐ کے دین سے ناواقف تھے اور دشمنوں کو اپنے سے دور نہیں رکھ سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا تمہیں فضیلت و کرامت عطا فرمائے اور اپنی نعمت سے تمہیں مخصوص کیا اور تمہیں ایمان سے سعادت اندوز کیا۔ تمہیں آنحضرتؐ کو اور ان کے اصحاب کو عزت کے ساتھ رکھنے کی بزرگی عطا کی اور تمہیں ان کے دین کو قوی کرنے کی توفیق سے سرفراز فرمایا کہ تم ان کے دین کو قوی کرو اور ان کے مخالفوں سے جہاد کرو۔ پس تم رسول اللہؐ کے مخالفین پر سخت ترین

تے۔ جو غیر لوگ بھی حضور کے دشمن تھے ان کے خلاف بھی تم نے
آنحضرتؐ کی حمایت کی۔ یہاں تک کہ امرِ خدا کو استقامت ہوئی
اللہ تعالےٰ نے تمہاری مدد سے اپنے رسول کے لیے ملک کو مسخر
کیا۔ اور عرب کے لوگ تمہاری تلواروں سے مغلوب ہوئے۔ اور
پھر اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی کو اپنے پاس بلالیا۔ اور بوقت
رحلت وہ تم سے راضی تھے، اس امرِ خلافت کے لیے اپنے
ہاتھوں کو مضبوط کر لو۔ کیونکہ اس امر میں دوسرے لوگوں سے زیادہ
تم خلافت کے مستحق ہو۔"

تمام انصار نے اس بات کو قبول کیا اور کہا کہ آپ کی رائے بہت صائب
ہے۔ اور اس امرِ خلافت کے لیے آپ نہایت موزوں ہیں۔ اور اس
کے ہر طرح سے اہل ہیں۔

حضرت ابوبکر کا ورود اسی عرصہ میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور
ابو عبیدہ بن الجراح کو لیے ہوئے
آپہنچے۔

انصار کے ایک خطیب کی تقریر خدا کی حمد و ثناء کر کے
کہنے لگا:۔

ہم انصارِ خدا اور لشکرِ اسلام ہیں۔ اور تم اے مہاجرین معدودے
چند۔ ہم میں سے تم نے آہستہ روی مشورہ کیا اور تمہارا ارادہ
ہے کہ ہم سب کو نکال کر باہر کر دو اور خلافت سے

ہمارا واسطہ ہی نہ رکھو۔[1]

اس بیان سے بھی ظاہر ہے کہ مہاجرین حصولِ اقتدار کے لیے مشورے کر رہے تھے۔ ان مشوروں کی بنا پر انصار سقیفہ میں جمع ہوئے تھے۔ ابتدا انصار سے نہیں ہوئی بلکہ مہاجرین نے کی تھی۔ انصار کے اس خطیب کے اس بیان کی مہاجرین نے اپنی تقریروں میں تردید بھی نہیں کی۔

جب انصار کے خطیب کی تقریر ختم ہوئی تو حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میں نے روبرو حضرت ابوبکر کچھ کہنا چاہا کیونکہ میں موقعہ کے لیے ایک عمدہ تقریر تیار کر کے لایا تھا اور میں بعض امور کی کوششوں کو آپ سے دور کرنا چاہتا تھا۔[2]

اس بیان سے بھی ثابت ہے کہ مہاجرین حصولِ اقتدار کے لیے باقاعدہ تیاریاں کر رہے تھے۔ یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انصار کا اجتماع سن کر بلا سوچے سمجھے سقیفۂ بنی ساعدہ کی طرف روانہ ہو پڑے تھے جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے۔

اس پر حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو تقریر کرنے سے روک دیا اور خود کھڑے ہو گئے اور اس طرح تقریر فرمائی:۔

حضرت ابوبکر کی تقریر

"بہ تحقیق کہ خدائے عزوجل نے حضرت محمد مصطفےٰ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا پس انہوں نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو اللہ تعالےٰ نے ہماری پیشانیوں اور دلوں کو ان کی طرف مائل کیا۔ پس ہم گروہ مہاجرین سب سے پہلے اسلام لائے جو اس کے بعد اسلام لائے انہوں نے ہماری

[1] تاریخ الخلفاء اردو ترجمہ صہ ۴۲ طبع مطبع صدیقی لاہور۔ [2] تاریخ الخلفاء اردو ترجمہ صہ ۴۲

پیروی کی اور ہم رسول اللہ کے قرابتدار ہیں اور نسب کے لحاظ سے
ہم اوسط العرب ہیں۔ عرب کا کوئی قبیلہ نہیں لیکن یہ کہ اس امر میں قریش
کیلئے اثر و رسوخ نہ ہو، یعنی ہر ایک قبیلہ میں قریش کا اثر اور ان کے آدمی موجود
ہیں اور تم بھی خدا کی قسم وہ ہو جنہوں نے پناہ دی اور نصرت کی۔ اور تم
دین میں ہمارے وزیر ہو اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وزیر
ہو، اور تم کتابِ خدا کی رو سے ہمارے بھائی ہو اور دینِ خدا میں
ہمارے شریک ہو، اور ہمارے ساتھ سختی اور نرمی میں رہے ہو
خدا کی قسم کوئی چیز نہ تھی کہ جس میں تم ہمارے ساتھ نہ تھے۔ تمام لوگوں کی
نسبت تم ہمارے بہت زیادہ محبوب ہو۔ اور سب سے زیادہ مکرم
ہو۔ سب سے زیادہ رضائے خدا میں راضی رہنے والے اور اس
کے حکم کی اطاعت کرنے والے تھے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کو
تمہارے پاس بھیجا۔ پس تم مہاجرین پر حسد نہ کرو اور تم ان کی مدد
کرو، اور تم ہمیشہ اپنے مہاجرین بھائیوں کی مدد کرتے رہے ہو۔ اور
سب لوگوں سے زیادہ تم اس بات کے مستحق ہو کہ اس امر میں تمہاری
طرف سے اختلاف نہ ہو اور تم اپنے بھائیوں پر اس خیر و برکت کی
وجہ سے حسد نہ کرو جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کی ہے۔ اور اب میں تم کو
بلاتا ہوں ابو عبیدہ یا عمر کی اطاعت کی طرف۔ میں نے ان دونوں
کو تمہارے لیے اور اس امرِ خلافت کے لیے پسند کیا ہے اور
دونوں اس کے لیے موزوں ہیں۔"

حضرت عمر اور ابو عبیدہ کا انکسار اے ابوبکر! لوگوں میں سے کسی کے لیے موزوں نہیں کہ وہ تمہارے اوپر فوقیت رکھے، تم صاحب غار ہو، دو میں کے ایک ہو، رسول اللہ صلعم نے تمہیں نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ سب لوگوں سے زیادہ تم خلافت کے مستحق ہو۔

انصار کا جواب خدا کی قسم ہم تم پر کسی نیکی کی وجہ سے حسد نہیں کرتے۔ جو اللہ تعالیٰ نے تم کو پہنچائی ہو اور تمام خلق خدا میں تم سے زیادہ ہمیں کوئی محبوب نہیں ہے اور نہ ہم کسی اور پر تم سے زیادہ خوش ہیں۔ لیکن ہم ڈرتے ہیں کہ اس کے بعد اس امر خلافت کو کوئی ایسا شخص حاصل نہ کرے جو نہ ہم میں سے ہو نہ تم میں سے (حضرت معاویہ جیسا) اور اگر تم آج ایک حاکم ہم میں سے اور ایک اپنے میں سے لے لو تو ہم بیعت کریں (انصار کی پہلی کمزوری) اور راضی ہو جائیں، اس امر پر کہ اگر ایک انصار میں کا حاکم ہلاک ہو جائے تو دوسرا انصار میں سے منتخب کر لیا جائے۔ اور اگر مہاجرین میں کا حاکم ہلاک ہو جائے تو دوسرا مہاجرین میں سے منتخب کر لیا جائے۔ اور یہ سلسلہ ہمیشہ تک قائم رہے جبتک کہ یہ امت باقی ہے اور یہ مناسب ہے کہ امت محمدیہ میں اسطرح عدل کیا جائے۔ برعکس اسکے کہ اگر قریشی کو حکومت مل گئی تو انصاری اسکی مخالفت کریگا اور اگر انصاری کو حکومت مل گئی تو وہ ڈریگا کہ قریشی اس کی مخالفت کریگا۔

حضرت ابوبکر کی تقریر حضرت ابوبکر کھڑے ہوئے اور بعد حمد و ثنائے الٰہی کہا:-

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر محمد مصطفٰےؐ کو مبعوث فرمایا اور ان کی امت پر ان کو گواہ مقرر کیا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔

درحالیکہ وہ اسی زمانے میں مختلف خداؤں کی پرستش کرتے تھے اور گمان کرتے تھے کہ وہ سب معبود ان کی شفاعت کریں گے اور انہیں نفع پہنچائیں گے۔ حالانکہ وہ سب پتھر کے تراشے ہوئے اور لکڑیوں کے رندہ کیے ہوئے تھے۔ پس رجوع کرو تم آیۂ "ما تعبدون من دون اللّٰہ" کی طرف۔ پس اہل عرب کو بڑا معلوم ہوا کہ اپنے آباؤ اجداد کے دین کو ترک کریں۔ پس اللّٰہ تعالیٰ نے مہاجرین کو مخصوص کرلیا کہ ایسے وقت میں اس کے نبی کی تصدیق کریں۔ اس پر ایمان لائیں اور جو ایذائیں ان کی قوم پہنچائے ان پر صبر کریں۔ تمام قوم ان کی تکذیب و تحقیر کرتی تھی۔ اور تمام لوگ ان کے مخالف ہوگئے تھے، لیکن وہ باوجود اپنی قلت تعداد کے اور قوم کے غلبہ کے گھبرائے نہیں۔ پس پہلے وہ لوگ ہیں جنہوں نے زمین پر خدا کی عبادت کی۔ اور پہلے وہ لوگ ہیں جو خدا اور رسولؐ پر ایمان لائے۔ اور وہ رسولِ خدا کے اولیا اور قرابتدار ہیں۔ اور اس امر خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ ان کے ساتھ کوئی تنازعہ نہیں کرے گا لیکن وہ جو ظالم ہوگا۔ اور تم اے معاشر الانصار وہ ہو جن کی فضیلت کا انکار نہیں ہوسکتا۔ اور نہ اس نعمت کا جو تمہیں اسلام میں حاصل ہے اللّٰہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے دین اور اپنے رسولؐ کا انصار بنایا ہے۔ اور تمہاری طرف اپنے رسولؐ کی ہجرت قرار دی ہے

پس مہاجرین اولین کے بعد منزلت میں ہمارے نزدیک تم سے زیادہ اور کوئی نہیں ہے۔ پس ہم امیر ہیں اور تم وزیر ہو، ہم جو کام کریں گے اور جو امور طے کریں گے وہ تمہاری صلاح و مشورہ سے ہوا کرے گا۔"

حباب بن منذر انصاری کی تقریر

اس کے بعد حباب بن منذر انصاری کھڑے ہوئے اور کہا:۔

"اے گروہِ انصار! اپنے ہاتھوں پہ قابو رکھو۔ یہ لوگ تمہاری حمایت میں اور تمہارے سایہ کے نیچے ہیں۔ اور ان میں طاقت نہیں کہ تمہاری مخالفت کریں۔ تم لوگ اہلِ عزت و ثروت ہو، تمہاری تعداد زیادہ ہے۔ تم صاحبِ بزرگی ہو اور لوگوں کی نظر تم پر لگی ہوئی ہے کہ تم کیا کرتے ہو۔ پس تم آپس میں مخالفت نہ کرو کہ تمہارے مشورہ میں فساد نہ پڑے اور تمہارے امور ناکام نہ ہو جائیں۔ تم پناہ دینے والے ہو۔ تمہاری طرف رسول اللہ کی ہجرت ہوئی اور تم ہی سابقین میں سے ہو، جیسا کہ مہاجرین ہیں۔ اور تم ان سے پہلے صاحبِ خانہ و صاحبِ ایمان ہو، خدا کی قسم انہوں نے خدا کی عبادت علانیہ نہیں کی لیکن تمہارے شہر میں، اور نماز جامع کہیں نہیں ہوئی لیکن تمہاری مسجدوں میں۔ عرب اسلام کے لیے مغلوب نہیں ہوئے مگر تمہاری تلواروں سے پس تمہارا حصہ اس امر خلافت میں سب سے زیادہ ہے اور اگر یہ لوگ انکار کریں تو ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر ان میں سے ہو۔"

حضرت عمر کی تقریر

حضرت عمر کھڑے ہوتے اور اس طرح تقریر فرمائی :-

"افسوس ہے کہ دو تلواریں ایک نیام میں جمع نہیں ہو سکتیں اور عرب اس کو گوارا نہیں کریں گے کہ تم ان پر حکومت کرو۔ حالانکہ ان کا نبی تم میں سے نہیں تھا۔ یہ ضروری ہے کہ اس امر خلافت کے وہ لوگ والی و حاکم ہوں جن میں نبوت رہی ہے۔ ہم میں سے نبی کا ہونا ہمارے مخالفین کے اوپر حجت ظاہرہ اور دلیل باہرہ ہے۔ ہم سے محمدؐ کی حکومت و میراث کے لیے کون تنازعہ کر سکتا ہے۔ درحالیکہ ہم آنحضرتؐ کے اولیا و قرابتدار ہیں جو ہم سے اس امر کا تنازعہ کرے گا وہ ظالم و گنہگار ہوگا اور ورطۂ ہلاکت میں پڑے گا۔"

یہ ہے سیاست کبھی کہا جا رہا ہے کہ عربوں کو یہ گوارا نہیں کہ نبوت و خلافت ایک خاندان میں جمع ہو اور کبھی یہ کہا جا رہا ہے کہ عرب کیسے گوارا کریں گے۔ کہ ایسا شخص خلیفہ ہو جو خاندانِ رسالت سے نہ ہو، کبھی کہا جا رہا ہے کہ نبی کا کوئی وارث نہیں ہوتا اور کبھی نبی کی میراث کے حق پر ان کے اولیا و قرابتدار بنکر خلافت پر قبضہ کرنے کی صورتیں پیدا کی جا رہی ہیں۔ کبھی کتابِ خدا کافی کہا جا رہا ہے اور کبھی رسول اللہ کی احادیث بیان کر کے اپنا استحقاق تبلایا جا رہا ہے، وقت وقت کی بات ہے۔ جیسا وقت ویسی بات۔ یہ تشتت فکر (Inconsistency of thought) کا سنگِ بنیاد ہے جو مسلمانوں کی سیاست کے اولین شخص کے ہاتھ سے رکھا جا رہا ہے۔

حباب بن منذر کا جواب

اب پھر حباب بن منذر کھڑے ہوئے اور کہا:۔

اے معشر انصار! اپنے پر قابو رکھو اور اس شخص اور اس کے ساتھیوں کی باتوں کو نہ سنو، ورنہ اس امر خلافت میں تمہارا حصہ جاتا رہے گا۔ اگر یہ اس سے انکار کریں جو تم چاہتے ہو تو تم ان کو اپنے شہر سے نکال باہر کرو۔ اور پھر اپنے اوپر اور ان لوگوں پر اس شخص کو حاکم بنا دو جس کو تم چاہتے ہو کیونکہ خدا کی قسم تم اس امر کے مستحق ہو۔ کیونکہ اس امر کو تم نے اپنی تلواروں سے حاصل کیا ہے۔ خدا کی قسم اگر تم چاہو تو ہم اس کو پھر پہلے کی طرح کر دیں۔ میرے قول کی کوئی مخالفت نہیں کر سکتا جو کرے گا اس کو تلوار سے جواب دوں گا۔ اس پر حضرت عمر نے کہا کہ یہ حباب بن منذر ہیں جو میری بات کا جواب دے رہے ہیں۔

حضرت عمر کو اس موقعہ پر ایک حدیث یاد آگئی

میرے لیے ممکن نہیں کہ میں حباب بن منذر کی مخالفت کروں۔ کیونکہ ایک دفعہ رسول اللہ کی زندگی میں میرے اور ان کے درمیان جھگڑا ہو گیا تھا۔ رسول اللہ نے مجھے منع فرمایا تھا اور میں نے اس دن سے قسم کھائی ہے کہ میں کبھی ایسی بات نہیں کہوں گا جو ان کو بری لگے۔ پھر ابو عبیدہ بن الجراح کھڑے ہوئے اور کہا:۔

ابو عبیدہ بن الجراح کی تقریر

اے گروہ انصار! آپ حضرات نے سب سے پہلے نصرت کی اور پناہ

دی ہے۔ اب آپ اس کو سب سے پہلے تبدیل کرنے والے اور بدلنے والے نہ نہیں۔

بشیر بن سعد انصاری (جنہیں کتاب الامامۃ والسیاسۃ میں غلطی سے قیس بن سعد لکھا گیا ہے) نے دیکھا کہ تمام قوم سعد بن عبادہ کو امیر بنانے پر متحد و متفق ہے تو وہ حسد کی وجہ سے سعد بن عبادہ کی مخالفت پر کمر بستہ ہوئے۔ اور بشیر قبیلۂ خزرج کے سرداروں میں سے تھے۔ اس لیے انھوں نے محبتِ حضرت ابوبکر میں نہیں بلکہ سعد بن عبادہ کی مخالفت اور ان سے حسد کی وجہ سے کہا:۔

بشیر کی تقریر

اے گروہ انصار! چونکہ جہاد میں ہم صاحبِ فضیلت ہیں اور دین میں سبقت رکھنے والے ہیں۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ سوائے رضائے الٰہی اور طاعتِ رسول کے کسی خود غرضی سے کام نہ لیں۔ یہ ہمارے لیے مناسب نہیں ہے۔ ہماری خدماتِ اسلام رضائے الٰہی اور طاعتِ نبی کے لیے تھی۔ اس کا اجر ہمیں اس کی بارگاہ سے ملے گا۔ ان خدمات کو جتا کر حکومت کو حاصل کرنا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ جناب رسالتمآب قریش سے تھے۔ اس لیے ان کی قوم ان کے ورثہ کی مستحق ہے اور انکی بجائے حکومت کرنے کی زیادہ سزاوار ہے۔ ہمیں ان کی مخالفت کا حق نہیں ہے خدا سے ڈرو اور انہیں دھوکہ نہ دو۔

بیعت حضرت ابی بکر

پھر حضرت ابی بکر کھڑے ہوئے اور کہا۔ امام تو قریش سے ہی ہوں گے۔ اے گروہ انصار تفرقہ پیدا نہ کرو اور میری یہ نصیحت ہے کہ تم ان دونوں میں سے ایک کی

بعیت کر لو۔ ابو عبیدہ بن الجراح یا حضرت عمر کی۔

حضرت عمر کا انکسار

حضرت عمر نے کہا:۔

"معاذ اللہ! یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ آپ ہمارے درمیان موجود ہوں اور لوگ ہماری بیعت کریں آپ اس امر کے ہم سے زیادہ مستحق ہیں" ہم سے پہلے آپ کو صحبت رسول حاصل ہوئی اور مال میں ہم سب سے زیادہ ہو، مہاجرین میں سب سے بہتر ہو۔ آپ غار میں رسول اللہ ؐ کے ساتھ تھے اور دو میں کے ایک ہو۔ کس کے لیے جائز ہے کہ آپ سے آگے بڑھے اور خلافت حاصل کرے۔ آپ اپنا ہاتھ بڑھائیے میں بیعت کرتا ہوں، عمر اور ابو عبیدہ بیعت کرنے کے لیے بڑھے۔ ان دونوں سے پہلے بشیر بن سعد انصاری نے جھپٹ کر بیعت کر لی۔

حباب بن منذر کی تقریر

حباب نے بآوازِ بلند کہا۔

"اے بشیر! چھوڑنے والے نے تجھے چھوڑ دیا۔ یعنی قبیلہ نے تجھے عاق کر دیا۔ کس نے تجھے اس بات پر مجبور کیا کہ تو وہ کرے جو تو نے کیا۔ تو نے اپنے ابن عم سعد بن عبادہ پر حسد کیا۔

اس پر بشیر نے کہا:۔

خدا کی قسم میں نے اس امر کو مناسب نہ جانا کہ مہاجرین سے اس امر میں جھگڑا کروں جو اس امر کے مستحق ہیں۔

اوس و خزرج کی پرانی عداوت نے حضرت ابوبکر کی مدد کی

جب قبیلہ اوس کے لوگوں نے یہ دیکھا کہ مہاجرین اپنا آدمی مقرر کرنا چاہتے ہیں اور خزرج سعد بن عبادہ کو امیر بنانا چاہتے ہیں تو ان میں سے چند لوگ آپس میں کہنے لگے (اور اسید بن حضیر ان میں سے ایک تھا) کہ اگر تم ایک دفعہ سعد کو اپنا امیر بنا لوگے تو پھر ہمیشہ خزرج کو یہ فضیلت تم پر رہے گی کہ تم کو اس میں کبھی حصہ نہیں ملے گا۔ لہٰذا چلو کھڑے ہو جاؤ۔ اور ابوبکر سے بیعت کر لو۔ اس لیے موجودہ زمانے کے بالغ نظر مؤرخوں کا خیال ہے کہ اگر اوس و خزرج میں رقابت نہ ہوتی تو خلافت کبھی حضرت ابوبکر کو نہ ملتی۔ (تاریخ اسلام سید عبدالقادر ایم۔ اے) اس طرح حضرت ابوبکر کی اژدہامی ذہنیت (mass mentality) سے بیعت ہونے لگی۔

آپس میں ہنگامہ آرائی

اس پر حباب ابن منذر کھڑا ہوا اور اپنی تلوار کو پکڑ لیا۔ لوگ اس کی طرف دوڑے اور اس کی تلوار چھین لی۔ وہ اپنی چادر لوگوں کے منہ پر مارتا تھا۔ یہاں تک کہ لوگ بیعت سے فارغ ہوئے۔ اس پر حباب ابن منذر نے کہا، اے گروہ انصار! گویا میں دیکھتا ہوں کہ تمہاری اولاد مہاجرین کی اولاد کے دروازوں پہ کھڑی ہے۔ بھیک مانگ رہی ہے اور وہ پانی بھی نہیں دیتے۔

حضرت ابوبکر کا جواب

حضرت ابوبکر نے کہا کیا یہ ڈر تم کو ہم سے ہے۔ حباب نے کہا، تم سے یہ ڈر نہیں ہے بلکہ ان سے ہے جو تمہارے بعد آئیں گے۔ ابوبکر نے جواب دیا کہ اگر ایسا

ہوگا۔ تو پھر تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو اختیار ہوگا جو چاہو کرو۔ ہماری اطاعت تم پر
نہیں رہے گی۔ حباب نے کہا کہ افسوس ہے کہ جب ہم اور آپ مر جائیں گے
تو پھر وہ لوگ آئیں گے جو ہمارے لیے بلائیں اور سختیاں اپنے ساتھ لائیں گے۔

سعد بن عبادہ کا بیعت سے انکار

سعد بن عبادہ نے کہا اے ابوبکر! خدا کی قسم اگر مجھ میں چلنے کی طاقت
ہوتی تو تو میری ایسی آواز سنتا جو تجھے اور تیرے اصحاب کو یہاں سے نکال
دیتی اور تو اپنے ہی لوگوں میں جا ملتا۔ جو ہمیشہ خادم اور مطیع رہے، نہ کہ مخدوم
مطاع۔ جو ہمیشہ گمنام رہے نہ کہ صاحب عزت۔

حضرت ابوبکر سے سب لوگوں نے بیعت کر لی۔ یہاں تک کہ قریب تھا کہ
سعد بن عبادہ پیروں میں کچل جائیے، سعد نے کہا کہ تم نے مجھ کو مار ڈالا۔ لوگوں
نے شور مچایا، دیکھنا سعد کچلے نہ جائیں۔ حضرت عمر نے کہا اس کو خدا کچلے بعد
اپنی ناکامی پر پہلے سے متاسف تھے سخت برہم ہوئے اور لوگوں سے کہا
مجھے یہاں سے لے چلو۔[1]

حضرت ابوبکر نے حضرت سعد سے کچھ دن بالکل تعرض نہ کیا۔ بعد میں آدمی
کو بھیجا کہ یہاں آکر بیعت کریں۔ انہوں نے بیعت سے قطعاً انکار کیا۔ حضرت
عمر نے کہا ان سے بیعت ضرور لیجیے۔ بشیر بن سعد انصاری بیٹھے تھے، بولے
کہ اب وہ انکار کر چکے ہیں۔ کسی طرح بیعت نہیں کریں گے۔ مجبور کیجیے گا

۱؎ کتاب الامامۃ والسیاسۃ، تاریخ طبری واقعات سنہ ۱۱ھ۔ صحیح بخاری ص۱۱۰۱
جلد ۲۔ سیر الانصار حصہ ۲ ص۲۹۔

آلشت دخون کی نوبت آئے گی۔ وہ اٹھیں گے تو ان کا گھر اور کنبہ بھی اٹھے گا۔
جس سے ممکن ہے کہ تمام خزرج اٹھ کھڑے ہوں، اس لئے ایک سوتے فتنہ
کو جگانا ٹھیک نہیں۔ میرے خیال میں ان کو یونہی چھوڑ دیجئے۔ ایک آدمی ہیں کیا
کریں گے، اس رائے کو سب نے پسند کیا۔ حضرت سعد حضرت ابوبکر کی خلافت
تک مدینہ منورہ میں مقیم رہے، بعد میں ترک وطن کرکے شام کی سکونت اختیار کی
اور دمشق کے قریب حوزان کا علاقہ نہایت سرسبز وشاداب تھا۔ اسی کو اپنے رہنے
کے لیے پسند فرمایا۔[1]

۱۵ھ میں انتقال ہوا، کسی نے مار کر غسل خانہ میں ڈال دیا تھا۔ گھر کے لوگوں
نے دیکھا تو بالکل جان نہ تھی تمام جسم نیلا پڑ گیا تھا۔ قاتل کی بہت تلاش ہوئی لیکن
کچھ پتہ نہ چلا۔ ایک غیر معلوم سمت سے آواز آئی "ہم نے خزرج کے سردار سعد بن
عبادہ کو قتل کیا۔ ایک تیر مارا جو خالی نہیں گیا۔" چونکہ قاتل نہیں ملا اور آواز سنی گئی بعض لو
کا خیال ہے کہ کسی جن نے قتل کیا ہے۔[2]

سقیفہ بنی سعد کے الیکشن میں حضرت ابوبکر کے خلاف کھڑے ہونے والے
انصار کے نمائندے کی زندگی کا اس طرح خاتمہ ہوا اور انہوں نے کسی سے بیعت نہیں کی۔
یہ ہے سقیفہ بنی ساعدہ کی کاروائی کا اکثر حصہ۔ ابو قتیبہ الدینوری کی کتاب الامامۃ
والسیاسۃ سے نقل کیا گیا ہے۔

بعض دوسرے مورخین اہل سنت نے اس کے بعض جزئیات کو ذرا تفصیل سے
بیان کیا ہے۔

---

[1] سیر الانصار جلد ۲ صہ ۲۹ وصہ ۳۰ ۔ کتاب الامامۃ والسیاسۃ صہ ۱۱

حضرت عمر نے اس معاملہ خلافت میں اپنی جدوجہد کو اپنی زبان سے اس طرح بیان کیا ہے :۔

"سقیفہ میں بیعت کا جھگڑا شروع ہوا۔ تو آوازیں بلند ہو گئیں اور شور و غل ہونے لگا۔ مجھے اختلاف کا خوف ہوا۔ یہ خیال کر کے میں نے ابوبکر سے کہا ہاتھ بڑھاؤ۔ میں تمہاری بیعت کروں۔ انہوں نے ہاتھ بڑھادیا میں نے جھٹ اس پر بیعت کرلی۔ پھر اور لوگوں نے بیعت کی۔ پھر ہم سعد بن عبادہ پر ٹوٹ پڑے۔ اس پر کسی نے کہا، ہائے تم لوگوں نے سعد کو قتل کر دیا۔ میں نے کہا اللہ سعد کو قتل کرے[1]"

علامہ طبری لکھتے ہیں :۔

"ہر طرف سے لوگ حضرت ابوبکر کی بیعت کرنے لگے اور قریب تھا کہ سعد بن عبادہ کو روند ڈالیں۔ جس پر سعد کے ساتھیوں سے کچھ لوگوں نے کہا سعد کو چھوڑ دو۔ ان کو نہ روندو۔ اس کے جواب میں حضرت عمر نے کہا سعد کو قتل کر ڈالو، خدا بھی اس کو قتل کر دے۔ پھر ان کے سر پر چڑھ کر کہتے لگے، میں نے ٹھان لیا ہے کہ تم کو کچل ڈالوں، کہ تمہارا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ اس پر سعد نے حضرت عمر کی داڑھی پکڑ لی، اور کہا، خدا کی قسم اگر تم نے میرا ایک بال بھی اکھاڑا تو میں تمہارے کل دانت توڑ ڈالوں گا۔ اور تم اپنے گھر اس طرح واپس جاؤ گے کہ تمہارے منہ میں کوئی دانت نہیں ہو گا۔ تب حضرت ابوبکر

---

[1] تاریخ کامل جلد ۲

نے کہا اے عمر اپنے آپ کو روکو۔ یہ موقعہ نرمی کا ہے۔ اسی سے کام نکلے گا۔ اس پر حضرت سعد کے اوپر سے اترے تو سعد نے کہا خدا کی قسم اگر میں بیمار نہ ہوتا اور مجھ میں اتنی قوت بھی ہوتی کہ خود سے اٹھ سکتا تو تم مدینہ کی سڑکوں اور گلیوں میں میری وہ ہیبت ناک آواز سنتے جس پر تم بھی اور تمہارے ساتھی بھی خوف سے زمین کے سوراخوں میں گھس جاتے۔ خدا کی قسم اگر میری صحت درست رہتی تو میں تم کو ان لوگوں میں ملا دیتا جن کے تم رعیت بن کر رہتے اور سردار نہیں بننے پاتے۔ مگر میرے مرض نے مجھے بے بس کر دیا ہے پھر اپنے ساتھیوں سے کہا، مجھے اس جگہ سے اٹھا کر لے چلو۔ لوگ ان کو اٹھا کر لے گئے اور ان کو گھر پہنچا دیا۔[۱]"

اس کاروائی پر ہم دو غیر مسلم مفکرین کے افکار درج کرتے ہیں :۔

۱۔ آنریبل ٹاٹیلر (Tatelor) لکھتے ہیں :۔

"محمد نے خود ہی اپنے داماد علیؑ کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنا دیا تھا لیکن آپ کے خسر ابوبکر نے لوگوں کو اپنی پارٹی میں لے کر خلافت پر قبضہ کر لیا۔[۲]"

۲۔ مسٹر ڈیون پورٹ (Dewnport) اپنی کتاب خلافت میں لکھتے ہیں :۔

---

[۱] تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۱۰۔

[۲] مبادیات تاریخ (Elements of General History) صفحہ ۲۲۹ مطبوعہ ۱۸۵۱ء از آنریبل مسٹر ٹاٹیلر۔

"حضرت عمر کے اس طرح بھری بلکہ بے محابا کردار کا باعث بے شک یہ خیال ہوا کہ ابوبکر چونکہ سن رسیدہ ہیں۔ اس سبب سے وہ رسول کے بعد غالباً بہت دن زندہ نہیں رہیں گے۔ انہوں نے امید کی کہ ٹھیک اس ترکیب سے وہ خود ابوبکر کے خلیفہ ہو سکتے ہیں بشرطیکہ علی کو خارج کر سکیں کہ وہی ایک مدمقابل تھے۔ جن سے ان کو کسی وجہ سے خوف کرنا پڑتا تھا۔"[1]

سوالات

۱۔ رسالتمآب کے بعد حکومت کے متعلق کن خیالات نے مسلمانوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ہر گروہ کے خیالات بیان کیجیے

۲۔ حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت عمر کا مکالمہ لکھیے اور اس سے نتیجہ نکال کر پیش کیجیے۔

۳۔ مہاجرین نے حصول اقتدار کے لیے پہلے سے کیا سکیم بنا رکھی تھی وفاتِ رسول پر حضرت عمر نے اس سیاسی سکیم کو بروئے کار لانے کے لیے کیا سیاسی رویہ اختیار کیا؟

۴۔ انصار کی فراست پر روشنی ڈالیے اور بتلائیے کہ وہ کسے منصبِ خلافت پر دیکھنا چاہتے تھے؟

---

[1] خلافت (Khlafat by Devonport)

۵۔ حضرت ابوبکر پر مختصر نوٹ لکھیے۔

۶۔ وفاتِ رسول کے اخفاء کے لیے حضرت عمر نے کیا صورت اختیار کی۔ اسے سیاسی نقطۂ نگاہ سے بیان کیجیے۔

۷۔ سقیفہ میں انصار کے اجتماع کے کیا اسباب تھے۔ ان اسباب کے باوجود کیا ان کا یہ اقدام مناسب تھا؟ انصار کی ناکامی کے کیا اسباب تھے؟

۸۔ انصار کو جو اندیشہ تھا بعد کے واقعات نے اسے کس طرح صحیح ثابت کیا؟

۹۔ ثابت کیجئے کہ حصولِ اقتدار کی جد و جہد انصار نے نہیں بلکہ حضرت عمر کی پارٹی نے شروع کی تھی۔

۱۰۔ حضرت سعد بن عبادہ کی تقریر لکھیے اور بتلائیے کہ یہ تقریر کن حالات میں اور کس طرح کی۔ اور اس تقریر کا انصار نے کیا جواب دیا؟

۱۱۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے سقیفہ میں پہنچنے پر انصار کے خطیب نے کیا تقریر کی اور اس تقریر پر حضرت عمر کیا کرنا چاہتے تھے۔ ان واقعات سے ثابت کیجئے کہ حصول اقتدار کی جد و جہد میں ابتدا مہاجرین سے ہوئی ہے انصار سے نہیں۔

۱۲۔ حضرت ابوبکر کی تقریر اور تجویز کو بیان کیجیے اور اس پر

حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ کا منکسرانہ جواب لکھیے۔

۱۳۔ اس تقریر کا انصار نے کیا جواب دیا۔ اس جواب میں ان کی بڑی کمزوری کیا تھی؛ اس کمزوری کو انہوں نے کس اندیشہ کے پیش نظر اختیار کیا؟

۱۴۔ حضرت ابوبکر نے انصار کے جواب پر کیا تقریر کی اور حباب ابن منذر نے اس کا کیا جواب دیا؟

۱۵۔ حضرت عمر کی تقریر اور حباب ابن منذر کا جواب لکھ کر اور پھر ابو عبیدہ کا قول لکھیے۔

۱۶۔ بشیر بن سعد انصاری نے کیوں اور کس طرح اپنے قبیلہ کے خلاف مہاجرین کی تائید کی۔

۱۷۔ حضرت ابوبکر کی کسطرح بیعت ہوئی۔ اس پر حباب بن منذر نے کیا کہا

۱۸۔ اوس اور خزرج کی رقابت کو لکھ کر ثابت کیجیے کہ اگر اوس و خزرج کی مخالفت نہ ہوتی تو حضرت ابوبکر کی بیعت نہ ہوتی۔ اس پر حباب بن منذر نے انصار کے مستقبل کے متعلق کیا کہا اور حضرت ابوبکر نے اس کا کیا جواب دیا؟

۱۹۔ سعد بن عبادہ کے انکار بیعت پر ہنگامہ آرائی کو بیان کیجیے۔ ارباب اقتدار نے اس سے کیا سلوک کیا اور اسکے انجام کو بیان کیجیے

۲۰۔ سقیفہ میں حضرت ابوبکر کی بیعت پر غیر مسلم مفکرین کے خیال کو بیان کیجیے۔

چھٹا باب

قضیہ بیعت حضرت ابی بکر (مدینہ طیبہ)

دُوسرا دِن

بنو ہاشم کا حضرت علی کے گرد اجتماع

بنو ہاشم حضرت علی کے پاس جمع ہوئے۔ اور ان میں زبیر بن العوام بھی تھے اور ان کی والدہ صفیہ بنت عبد المطلب تھیں۔ اور وہ اپنے آپ کو بنو ہاشم میں ہی شمار کیا کرتے تھے۔ یہ لوگ مسجد میں جمع تھے۔ حضرت ابوبکر کی سقیفہ میں جس طرح بھی ہوئی بیعت ہو چکی تھی۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر اور ابو عبیدہ بن الجراح ان کے پاس آئے۔ حضرت عمر نے کہا میں تم کو یہاں کیوں جمع دیکھتا ہوں، اٹھو اور حضرت ابوبکر کی بیعت کرو، میں نے اور انصار نے ان کی بیعت کر لی ہے۔

بنو امیہ اور حضرت عثمان وغیرہ کی بیعت

اس پر سعد بن عثمان اور تمام بنو امیہ نے حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی۔ پھر سعد اور عبد الرحمٰن اور ان کے تمام ساتھی اُٹھے، انھوں

نے بھی بیعت کر لی۔ حضرت علی علیہ السلام، حضرت عباس اور تمام بنو ہاشم جو ان کے ساتھ تھے بغیر بیعت کیے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اور ان ہی کے ساتھ زبیر بن العوام بھی تھے۔ انھوں نے انکار کیا اور تلوار لے کر نکلے۔

حضرت عمر کی سختی اور جبر بیعت

حضرت عمر گھبرا کر لوگوں سے کہنے لگے۔ اس آدمی کو پکڑ لو۔ لوگوں نے اس کو پکڑ لیا۔ سلمہ ابن اشیم نے اچھل کر تلوار چھین لی اور زبیر کو دیوار سے دے مارا اور اسے پکڑ کر لے گئے۔ اس حالت میں اس نے بیعت کر لی اور اسی طرح بہ جبر و اکراہ بنی ہاشم نے بھی بیعت کر لی۔

حضرت علی کا بیعت ابی بکر سے انکار

پھر حضرت علی کو پکڑ کر حضرت ابوبکر کے پاس لائے۔ حضرت علی فرما رہے تھے کہ میں خدا کا بندہ اور رسول کا بھائی ہوں اللہ کا بندہ غیر اللہ کا بندہ نہیں ہو سکتا۔ اور اگر تم نے رسول اللہ کے رشتے کی وجہ سے حکومت حاصل کی ہے تو میں رسول اللہ کا بھائی ہوں۔ مجھ سے بڑھ کر ان کا رشتہ دار کون ہو سکتا ہے؟ اس پر ان سے کہا گیا کہ حضرت ابوبکر کی بیعت کرو۔

حضرت علی کی بحث

حضرت علی نے فرمایا بیعت کا میں تم سے زیادہ مستحق ہوں۔ میں تم سے ہرگز بیعت نہیں کروں گا۔ تم کو چاہئے کہ مجھ سے بیعت کرو۔ تم نے انصار سے یہ امر خلافت اس دلیل کے ساتھ لیا ہے کہ تم کو رسول اللہ سے قرابت ہے۔

جو اُن کو حاصل نہیں تھی۔ اور اب ہم اہل بیت سے یہ امر خلافت تم چھین رہے ہو۔ کیا تم نے انصار سے یہ بحث نہیں کی کہ تم اس امر خلافت کے ان سے زیادہ مستحق ہو کیونکہ محمد تم میں سے تھے۔ اس دلیل کو مان کر یہ امر انہوں نے تمہارے سپرد کر دیا ہے۔ اور حکومت تم کو دے دی۔ اب میں تم پر وہی حجت قائم کرتا ہوں۔ جو تم نے انصار پر قائم کی تھی۔ ہم رسول اللہ کے انکی حیات و ممات میں ولی و وارث ہیں۔ پس اگر تم سرکار رسالت اور اسلام پر ایمان لائے ہو تو ہمارے ساتھ انصاف کرو، ورنہ تم یہ ظلم جان بوجھ کر کر رہے ہو۔[1]

حضرت عمر کا دھمکانا اور اس پر بھی حضرت علی کا انکار

حضرت عمر نے اس دلیل سے لاجواب ہو کر اقتدار کے لب و لہجہ سے کہا۔ "اے علی بیعت کر لو۔ بغیر بیعت کے چھٹکارا نہیں۔ ہم تم کو نہیں چھوڑیں گے، جب تک تم بیعت نہیں کر لوگے۔ اس پر جناب امیر نے فرمایا:۔

"اے عمر تم یہ چاہتے ہو کہ ابوبکر خلافت کے اگلے تھن سے جی بھر کر دودھ دوہ لے۔ اس لیے تم آج اس کے لیے امر خلافت مضبوط کر رہے ہو کل وہ تمہارے لیے مضبوط کر جائیں گے۔ یعنی تم چاہتے ہو کہ وہ نفع تو حاصل کرے جس میں تمہارا ہی حصہ ہے اب ابوبکر کے لیے تم نذر دے رہے ہو تاکہ کل وہ اسکو تمہاری طرف پلٹا دے۔ اے عمر قسم بخدا میں تیرا قول قبول نہیں کروں گا اور

---

[1] کتاب الامامة والسیاستہ صہ ۱۱

ابوبکر کی بیعت نہیں کروں گا۔"

حضرت ابوبکر کا جواب حضرت ابوبکر نے حضرت علی اور حضرت عمر کی یہ گفتگو سن کر کہا۔ یا علی اگر آپ میری بیعت نہیں کرتے تو میں آپ کو مجبور بھی نہیں کرتا۔[۱]

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کی چاپلوسی حضرت ابو عبیدہ نے جناب امیر علیہ السلام سے اس طرح خطاب کیا:۔

"اے ابنِ عم رسول! آپ عمر میں چھوٹے ہیں اور یہ لوگ آپ سے عمر میں بڑے ہیں۔ آپ کا تجربہ ان امور میں ان سے زیادہ نہیں اور امورِ سیاست کی واقفیت جو ان کو ہے وہ آپ کو نہیں ہے۔ اور میں ابوبکر کو اس امر کے لیے آپ سے قوی تر پاتا ہوں۔ لہٰذا آپ کو چاہیے کہ آپ ان کی بیعت کرلیں۔ اگر آپ کی زندگی باقی رہی تو پھر یہ آپ کے لیے ہے۔ کیونکہ آپ اس امر خلافت کے لیے اپنے فضل و قوتِ دینی، اپنے علم و فہم اور اپنی سبقتِ علمی اور اپنی دامادیٔ رسولؐ کیلئے موزوں ہیں۔"

حضرت علی کا جواب اس پر حضرت علی علیہ السلام نے کہا:۔

"اے گروہ مہاجرین، سرکارِ رسالت محمد مصطفٰےؐ کی ریاست و سرداری و حکومت کو ان کے گھر سے

---

[۱] کتاب الامامۃ والسیاستہ ص ۱۱

نکال کر اپنے گھر دل میں نہ لے جاؤ اور آنحضرت کے اہل بیت کو ان کے مقام عزت سے نہ ہٹاؤ۔ قسم بخدا اے گروہ مہاجرین! ہم تم سب سے امر خلافت کے زیادہ مستحق اور حقدار ہیں۔ کیونکہ ہم اہل بیت رسول ہیں، اگر کوئی قاری قرآن اور فقیہ دین خدا، عالم سنت رسول اور صاحب اطلاع امور رعایا، رعایا میں عدل و انصاف کرنے والا اور ان کی تکالیف کے دور کرنے والا ہے تو ہم ہیں۔ پس تم اپنی خواہشوں کی پیروی نہ کرو۔ ورنہ رستے سے بھٹک جاؤ گے اور حق سے دور ہو جاؤ گے۔"

بشیر ابن سعد انصاری کا جواب

اس پر بشیر ابن سعد انصاری نے کہا:۔

"یا علی! اگر انصار بیعت ابی بکر سے پہلے تم سے یہ کلام سنتے تو کبھی تمہاری مخالفت نہ کرتے"[1]

حضرت علی کا جواب

اس پر جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا:

"کیا میں رسول اللہ کو بے گور و کفن چھوڑ دیتا اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جا کر خلافت کے لیے تم سے نزاع کرتا یہ تو مجھ سے کبھی گوارا نہ ہوتا اور نہ مجھے زیبا تھا"[2]

یہ فرما کر آپ وہاں سے چلے آئے۔

شہر مدینہ کے اکابر انصار اور معززین مہاجرین سے حصول بیعت کے لیے یہ

---

[1] کتاب الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۲ تا ص ۱۲۔

[2] کتاب الامامۃ والسیاسۃ

طریق کار اختیار کیا گیا۔ لیکن مدینہ سے باہر دوسرے مقامات پر اسلامی شہریوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ اس سے زیادہ سخت تھا۔

حضرت ابوبکر کے خطبات

مدینہ میں سلطنت پر اس طرح قبضہ کرنے کے بعد حضرت ابوبکر نے چند تقاریر فرمائی ہیں، انہیں ہم یہاں نقل کرتے ہیں:۔

پہلا خطبہ ۔ بعد حمد و ثنائے الٰہی فرمایا:۔

"حاضرین مجھے آپ لوگوں نے اپنا امیر بنایا ہے، حالانکہ میں اس قابل نہیں ہوں۔ اگر میں کوئی بھلائی کروں تو میری مدد کرو اور اگر کوئی برائی مجھ سے سرزد ہو تو میری سرزنش کرو۔ بے شک صدق امانت اور کذب خیانت ہے۔ تم میں سے جو لوگ ضعیف ہیں وہ میری نظروں میں اس وقت تک قوی ہیں جب کہ میں ان کا حق ان کو انشاء اللہ دلا دوں اور جو لوگ قوی ہیں، میرے نزدیک اسوقت تک ضعیف ہیں کہ میں ان کا حق دوسروں سے انشاء اللہ نہ لے دوں جس قوم نے جہاد فی سبیل اللہ کو چھوڑ دیا اس کو خدا نے ذلت میں ڈال دیا، اور جس قوم میں بدکاری پھیلی اس کو خدا نے بلا میں مبتلا کر دیا۔ جب تک میں خدا کی فرماں برداری کروں تم میری اطاعت کرو۔ اور جب تم دیکھو کہ میں نافرمانی اللہ اور رسول کی کرتا ہوں تو میری اطاعت تم پر واجب نہیں رہے گی۔ اپنی نماز کو پابندی سے ادا کرو خدا تم پر رحم کرے گا۔"[1]

---

[1] اردو ترجمہ تاریخ الخلفاء ص ۱۲۴ مطبوعہ مطبع صدیقی لاہور۔

دوسرا خطبہ ۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ امام حسن بصری کہتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر سے لوگ بیعت کر چکے تو آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا:۔

"میں نے خلافت کو قبول تو کر لیا ہے مگر میں اس کے ناقابل ہوں اگر کوئی دوسرا شخص اسے سنبھال لے تو واللہ بہت ہی بہتر ہو۔ لیکن اگر تم نے یہ تکلیف مالا یطاق اس پر بنا دی ہے کہ میں تم پر مثل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم و عمل کروں سو یہ امر میری طاقت سے باہر ہے۔ کیونکہ میں کسی طرح رسول اللہ کے برابر تو ہوں نہیں، کیونکہ آپ پر وحی نازل ہوتی تھی۔ اور آپ معصوم تھے، اور میں معمولی آدمی ہوں، تم سے بہتر نہیں ہوں کہ تم پر خلیفہ بنوں۔ پس جب تک تم مجھ میں استقامت پاؤ میری اطاعت کرو اور جہاں میرا قدم ڈگمگاتا دیکھو مجھے ملامت کرو۔ شیطان مجھ پر بھی غالب ہے جب مجھے کسی بات پر غصہ آجائے تو مجھ سے کنارہ کش ہو جاؤ، تمہاری خوشی خبریوں اور شعروں میں میری تعریف نہ کی جائے۔"[1]

تیسرا خطبہ ۔ عروہ کہتے ہیں کہ ابن سعد اور خطیب نے لکھا ہے۔ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بعد از بیعت خطبہ پڑھا۔ اور بعد حمد و ثنائے الٰہی فرمایا:۔

"میں نے تمہارا امیر ہونا تسلیم کیا۔ حالانکہ میں تم سے اچھا نہیں ہوں۔ لیکن قرآن شریف نازل ہو چکا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

[1] اردو ترجمہ تاریخ الخلفاء ص۸۵ و ص۸۶ مطبع صدیقی لاہور

وآلہ وسلم نے طریق وروش عمل سنت دکھلا کر راستہ بتلا دیا ہے اور ہم کو سکھلا دیا ہے، سب سے زیادہ عقلمند متقی ہے اور سب سے زیادہ عاجز فاسق و فاجر، تم میں سے قوی میری نظروں میں اس وقت تک ضعیف ہیں کہ جب تک ان سے دوسروں کا حق نہ دلوا دوں اور ضعیف اس وقت تک میرے نزدیک قوی ہیں کہ جب تک میں ان کا حق دوسروں سے نہ دلوا دوں۔ صاحبو! میں اتباع کرنے والا ہوں۔ نئی نئی باتیں نکالنے والا نہیں ہوں۔ اگر میں بھلائی کروں تو میری مدد کرو اور اگر کہیں پھسل جاؤں تو مجھے سرزنش کرو۔ اللہ تعالےٰ تم کو اور ہم کو بخشش دے[۱]۔"

سوالات

۱۔ بنو ہاشم کے اجتماع اور حضرت عمر کی دعوت بیعت ابی بکر کو بیان کیجیے۔

۲۔ مدینہ میں کن لوگوں نے بیعت کی اور کن لوگوں نے انکار کیا اور گھروں کو واپس چلے آئے۔

۳۔ لکھیے کہ زبیر نے حضرت ابوبکر کے داماد سے ان کی بیعت کس طرح کی؟

---

[۱] اردو ترجمہ تاریخ الخلفاء صـ۷۶ مطبوعہ مطبع صدیقی لاہور

۴۔ حضرت علیؑ نے طلب بیعت پر کیا جواب دیا۔ اس جملہ کو بیان کر کے اس کی جامعیت پر روشنی ڈالیے۔

۵۔ حضرت علی علیہ السلام کا اپنے حقوق پر احتجاج (دلیل) بیان کیجیے۔

۶۔ حضرت عمر نے اس احتجاج پر حضرت علی کو کس طرح دھمکی دی۔ حضرت علی نے اس کا کیا جواب دیا۔ اور اس گفتگو کو سن کر حضرت ابوبکر نے کیا رویہ اختیار کیا؟

۷۔ اس گفتگو کے بعد حضرت ابوعبیدہ نے کیا خوشامدانہ رویہ اختیار کیا اور حضرت علی نے اس کا کیا جواب دیا؟

۸۔ بشیر انصاری نے اس جواب سے متاثر ہو کر کیا کہا اور جناب امیر علیہ السلام نے اس کا کیا جواب دیا؟

۹۔ مدینہ کے واقعات کے زیر نظر لکھیے کہ حضرت ابوبکر کی مدینہ میں بیعت کس طرح ہوئی؟

۱۰۔ حضرت ابوبکر کے پہلے خطبہ کو بیان کر کے لکھو، کہ اس خطبہ سے ایک سلیم الطبع انسان پر ان کی شخصیت کے متعلق کیا اثر پڑتا ہے۔

۱۱۔ حضرت ابوبکر کے دوسرے خطبہ کو لکھ کر ثابت کیجیے کہ حضرت ابوبکر کو صحیح معنوں میں رسول اللہ کے

خلیفہ ہونے کا دعویٰ نہیں۔ اور انھوں نے خود اظہار فرما دیا ہے کہ وہ معصوم نہیں ہیں۔

۱۲۔ حضرت ابوبکر کے تیسرے خطبہ کو لکھ کر جو نتیجہ آپ اس سے نکالتے ہیں اسے بیان کیجئے۔

۱۳۔ حضرت ابوبکر کے ان خطبات سے ان کی صاف بیانی کو ثابت کیجیۓ اور لکھیے کہ انھوں نے ان خطبات میں کن امور کا اعتراف فرمایا ہے۔

ساتواں باب

سلطنت
اور
حضرت علی بن ابی طالب کے امتیازی حقوق

ا۔ خاندان بنی ہاشم میں سے تھے جس کی فضیلت تمام قریش میں مسلّم تھی۔
سرکارِ رسالت کا ارشاد ہے۔ میں ہوں محمدؐ خدا کا بندہ بن عبداللہ بن عبدالمطلب
بن ہاشم۔ خدا نے مخلوق کو پیدا کیا اور مجھے بہترین مخلوق قرار دیا۔ پھر اس بہترین
مخلوق کے جس میں ہم ہیں دو حصّے قرار دیئے۔ دو حصّے کیے اور مجھ کو اس کے
بہترین حصہ میں رکھا۔ پھر اس بہترین حصہ میں جس میں ہم شامل ہیں۔ قبیلے بنائے
اور ہم کو ان قبائل کے بہترین قبیلہ میں قرار دیا۔ پھر ان قبائل کے گھر بنائے اور مجھ کو
تمام گھروں سے بہترین گھر میں رکھا۔ (کتاب المحاسن والاضداد باب المفاخرت للجاحظ عثمانی)

اس گھرانے کا علامہ ابن خلدون مغربی نے اس طرح ذکر کیا ہے:۔

کوئی آدمی نہ نکلے گا کہ آدم علیہ السلام سے لے کر اس وقت
تک اس کے آباو اجداد علی الاتصال حسب و شرافت کے صدرنشین
رہے ہوں۔ اگر کوئی ہے تو جناب رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آنحضرت کے تمام آباو اجداد آدم علیہ السلام تک صاحب مجد و شرف ہوئے۔ ورنہ جو شرافت قائم ہوئی۔ اس کو زوال ہوا۔ اور جب کسی خاندان میں عزو شرف کی بنیاد قائم ہوئی چار پشتوں سے زیادہ اسے ثبات و قرار نہ ہوا۔[۱]

علامہ ابن خلدون کی تحقیق ہے کہ ایک مورث کی شرافت و نجابت حسن سیرت چار پشتوں تک باقی رہتی ہے۔ اب ذرا سرکارِ رسالت محمد مصطفےٰ سرکار ولایت علی مرتضیٰ کے نسب پر غور کیجئے۔ نسب سرکارِ رسالت محمد ارواحنا لہ الفدا:-

محمدؐ[۱] بن عبداللہ[۲] بن عبدالمطلب[۳] بن ہاشم

نسب سرکارِ ولایت علی مرتضیٰ ارواحنا لہ الفدا باپ کی طرف سے

علیؑ[۱] بن ابی طالب[۲] بن عبدالمطلب[۳] بن ہاشم

نسب سرکار ولایت علی مرتضیٰ ارواحنا لہ الفدا، ماں کی طرف سے

علیؑ[۱] بن فاطمہ[۲] بنت اسد[۳] بن ہاشم

حضرت علی کے والد حضرت ابو طالب عمران اور رسول اللہ کے والد حضرت عبداللہ ماں اور باپ کی طرف سے حقیقی بھائی تھے۔ یہ شرف آنحضرت کسی اور چچا کو نہ تھا۔ حضرت علیؑ کی والدہ رسول اللہ سے دوسری پشت ملتی تھیں۔ وہ حضرت ابو طالب کی حقیقی بنت عم یعنی چچا زاد تھیں۔ مورخین اسلام نے حضرت فاطمہ بنت اسد کی فضیلت کا ان الفاظ میں ذکر کیا

---

[۱] مقدمہ تاریخ ابن خلدون معرب فصل ۱۵ صفحہ ۱۳۶ و ۱۳۷

انها اوّل ھاشمیۃ زوّجت ھاشمیًا وُلدت ھاشمیاً و اوّل ھاشمیۃ ولدت خلیفہ   فاطمہ بنت اسد پہلی ہاشمیہ عورت ہیں جن کا عقد بھی خاندان بنی ہاشم میں ہوا اور ہاشمی ہی فرزند آپ کے بطن سے پیدا ہوا۔ اور آپ ہی وہ پہلی ہاشمی عورت ہیں جن کے بطن اقدس سے خلیفہ رسول متولد ہوئے۔[1]

بنی ہاشم کے متعلق جناب رسالتمآب نے فرمایا ہے:۔

قال جبرئیل قلبت مشارق الارض و مغاربھا فلم اجد رجلاً افضل من محمد وقلبت مشارق الارض ومغاربھا فلم اجد بنی اب افضل من بنی ھاشم۔

مجھ سے جبرئیل نے کہا کہ میں نے روئے زمین کے تمام مشارق و مغارب کو چھان ڈالا۔ لیکن کسی شخص کو محمدؐ سے اور کسی خاندان کو بنی ہاشم سے افضل و اعلیٰ نہیں پایا۔[2]

عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ ان اللہ اصطفیٰ من بنی کنانہ قریشاً ثم اصطفیٰ من قریش بنی ھاشم۔

ام المومنین عائشہ سے منقول ہے کہ سرکارِ رسالت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی کنانہ میں سے قریش اور قریش میں سے بنی ہاشم کو منتخب کیا۔[3]

۲- حضرت علی عین خانہ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے۔

---

[1] الاستیعاب ، اصابہ ، اسد الغابہ (تذکرہ فاطمہ بنت اسد) تاریخ الخلفاء
[2] کنز العمال جلد ۶ ص ۱۰۶   [3] بخاری ، مسلم و ترمذی

تواترت الاخبار ان فاطمہ بنت اسد ولدت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب فی جوف الکعبۃ۔

اس امر میں احادیث درجہ تواتر تک پہنچ چکی ہیں کہ جناب فاطمہ بنت اسد صلوات اللہ علیہا نے حضرت علی کو وسط بیت اللہ میں جنم دیا۔[1]

کون امیر کرم اللہ وجہہ ولد فی البیت امر مشہور فی الدنیا ذکر فی کتب الفریقین السنۃ و الشیعۃ۔

جناب امیر کی ولادت بیت اللہ شریف میں ہونا دنیا بھر میں مشہور ہے اور سنی شیعہ دونوں فرقوں نے اس کا ذکر اپنی کتابوں میں کیا ہے۔[2]

۳۔ حضرت علی نے بعد ولادت رسول اللہ کی زیارت کی اور رسول اللہ کے لعاب دہن کو نوش کیا۔[3]

۴۔ آپ نے بچپن میں آغوش رسالت میں پرورش پائی اور سرکار رسالت ہی ان کی تعلیم و تربیت کے کفیل رہے۔[4]

۵۔ آپ نے چشم زدن کے لیے بھی بت پرستی نہیں کی۔ اسیلیے اکثریت انھیں کرم اللہ وجہہ کے لقب سے یاد کرتی ہے۔

۶۔ آپ نے مردوں میں سب سے پہلے سرکار رسالت کی تصدیق کی اور اسلام کی پہلی نماز تمام لوگوں سے سات سال پہلے آنحضرت

---

[1] مستدرک امام حاکم جلد سوم صفحہ ۴۸۳ [2] شرح عینیہ حسب کے شارح علامہ آلوسی مؤلف تفسیر روح المعانی

[3] سیرۃ العلویہ حصہ اول صفحہ ۲۰ ارجح المطالب صفحہ ۴۸۵ ، صفحہ ۴۸۶

[4] فتح الباری الجزء ۷ صفحہ ۵۷

کے ساتھ پڑھی۔

۷۔ آپ کو یہ سعادت حاصل ہے کہ آپ کے ماں باپ نے رسول اللہ کو اپنی آغوشِ رحمت میں اپنی اولاد سے بڑھ کر پرورش کیا۔

۸۔ آپ کے والد حضرت ابوطالب نے زندگی بھر رسول اللہ کی حفاظت کی اور ان کی زندگی میں رسول اللہ کو ایسے شدائد و مصائب پیش نہیں آئے۔ جیسے ان کی وفات کے بعد پیش آئے۔

۹۔ آپ کے والد نے جو ممالکِ خارجہ میں کاروبار رکھتے تھے، اپنی ساری دولت کو اسلام کے فروغ میں صرف کیا۔

۱۰۔ آپ کے والد نے محاصرہ شعب ابی طالب میں جبکہ قریش نے حضور اور حضور کے خاندان کا مکمل بائیکاٹ کیا تھا حضورین کی کفالت فرمائی۔

۱۱۔ اسلام نے آپ کے والد کے وقار و اقتدار کے زیرِ سایہ اپنی ابتدائی منزلوں کو طے کیا۔

۱۲۔ حضرت علی شبِ ہجرت کفار کے نرغے میں تلواروں کے سایہ تلے اطمینان سے سوتے رہے اور انتہائی مواسات اور جان نثاری کا مظاہرہ کیا۔ جس کی مدح میں آیت قرآنی نازل ہوئی۔[۱]

۱۳۔ عقدِ مواخات کے موقعہ پہ سرکارِ رسالت نے حضرت علی کو اپنا بھائی بنایا اور ان کی اخوت کا اس طرح اعلان کیا۔ انت اخی فی الدنیا

---

[۱] تاریخ الخمیس ج ۱ صہ ۳۶۷، طبری ج ۲ صہ ۲۴۴۔ سیرت ابن ہشام ج ۲ صہ ۹۲

والاخرۃ - اے علی تم دنیا میں بھی میرے بھائی ہو اور آخرت میں بھی میرے بھائی ہو۔[۱]

۱۴- غزوۂ بدر کی فتح آپ کی کوشش کا نتیجہ تھی۔ اس لڑائی میں ستر مشرک مارے گئے۔ جن میں سے ۳۵ یعنی نصف علی مرتضیٰ نے تہ تیغ کیے اور باقی ۳۵ سب مسلمانوں نے مل کر قتل کیے۔ اس لیے شبلی نے حضرت علی مرتضیٰ کو "بدر کا ہیرو" کہا ہے۔[۲]

۱۵- رسول اللہ نے اپنی بیٹی فاطمہؑ کا عقد آپ سے بامر الٰہی کیا۔ جس سے نسل رسالت دنیا میں باقی رہی اور کثرت اولاد کا خداوندی وعدہ پورا ہوا۔[۳]

۱۶- غزوۂ اُحد میں اکثر مسلمان سرکار رسالت کو تنہا چھوڑ کر بخوف جان بھاگ گئے۔ لیکن حضرت علیؑ بدستور ثابت قدم رہے۔

۱۷- حضرت علیؑ کی صلاحیت، قابلیت، اہلیت اور قدرتی رجحانات (Natural Tendencies) آپ کو منصب خلافت رسول کا اہل قرار دیتے ہیں۔

۱۸- غزوۂ احزاب یا جنگ خندق میں حضرت علیؑ نے عمرو بن عبدود کو قتل کر کے مسلمانوں کی جان بچائی اور مدینہ منورہ کو جو اس وقت محاصرہ میں تھا، تباہی سے بچا لیا۔ اس پر رسول اللہ نے فرمایا۔ علی

---

[۱] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۲۳ و ص ۱۲۴، تاریخ ابوالفداء ج ۱ ص ۱۲۷، تاریخ ابن خلدون اردو ترجمہ ج ۳ ص ۶۲۔ [۲] سیرت النبی شبلی [۳] تاریخ خمیس ج ۱ ص ۴۰۷ و ص ۴۰۹

کی ایک ضرب میری امت کے قیامت تک کے اعمال سے بہتر ہے۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ اس غزوہ میں خاص کر حیدر کرار صاحب ذوالفقار علی مرتضیٰ سے وہ مبارزت و مقاتلت واقع ہوئی جو حد قیاس و احاطۂ عقل سے باہر ہے۔[1]

۱۹۔ جنگِ خیبر میں جب بڑے بڑے مشاہیر پسپا ہوئے[2]، تو جناب رسالت مآب نے فرمایا کہ کل میں ایسے شخص کو عَلَم دوں گا جو کرار غیر فرار ہے۔ خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور رسول اس کو دوست رکھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت علی کو عَلَم ملا[3]۔ آپ نے مرحب و عنتر کو مارا درِ خیبر اکھاڑا اور فتح کر کے واپس ہوئے۔

۲۰۔ غزوۂ خیبر زمانۂ رسالت کی تمام لڑائیوں میں ممتاز ہے۔ یہ پہلا غزوہ ہے جس میں غیر مسلم رعایا بنائے گئے اور طرز حکومت کی بنیاد قائم ہوئی[4]۔ گویا غزوۂ خیبر اسلامی سلطنت کا سنگِ بنیاد ہے۔ اس لحاظ سے فاتح خیبر علی مرتضیٰ اسلامی سلطنت کے معمار (Builder of Islamic State) ہیں۔

۲۱۔ یہ غزوۂ خیبر محض اسلامی سلطنت کے قیام کا ہی سبب نہیں ہوا بلکہ توسیع سلطنت اسلامیہ کا باعث ہوا۔ فتح خیبر کے دبدبہ سے جو علاقے تھا، وادی القرےٰ اور فدک مسلمانوں کے ہاتھ آئے وہ

---

[1] مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۱۳ [2] خصائص نسائی ص ۱۱

[3] شواہد النبوۃ ص ۸۵ و ص ۸۶ مطبوعہ نولکشور [4] سیرۃ النبی ج ۱ ص ۳۵۲

بھی نہایت زرخیز تھے[1] اس لحاظ سے علیؑ موسس سلطنتِ اسلامیہ کے علاوہ موسع سلطنتِ اسلامیہ ہیں۔ یعنی انہی کے ذریعہ سے سلطنتِ اسلامیہ کی توسیع ہوئی۔

۲۲۔ فتح خیبر سے پہلے مسلمان نہایت نازک معاشی دور سے گزر رہے تھے انھیں سیر ہو کر کھانا بھی نصیب نہیں ہوتا تھا۔ حضرت عبداللہ ابن عمر کا قول ہے "ہم نے کبھی سیر ہو کر کھانا نہ کھایا مگر فتح خیبر کے بعد"[2] ام المومنین بی بی عائشہ فرماتی ہیں، جب خیبر فتح ہوا تو ہم نے کہا اب ہم سیر ہو کر کھجوریں کھائیں گے[3]

اگر مسلمان اسی طرح مفلس و قلاش رہتے تو وہ روم اور ایران جیسی منظم سلطنتوں کو کس طرح فتح کر سکتے تھے۔ منظم سلطنتوں سے مقابلہ کے لیے معاشی ذرائع ضروری ہیں۔ اس لیے علیؑ ایسے معاشی انقلاب کے پیدا کرنے والے ہیں جس نے مسلمانوں کی معاشی مشکلات کو ختم کر دیا۔

۲۳۔ صلح حدیبیہ میں آپ نے صلحنامہ تحریر کر کے اپنے کامل الایمان ہونے کا ثبوت پیش کیا۔

۲۴۔ مکہ کی فتح میں آپ نے رسول اللہ کے کندھوں پر سوار ہو کر بُت توڑے اور تطہیر و تزکیہ بیت اللہ کی خدمت انجام دی[4]

---

[1] سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۳۶۸، [2] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۹ طبع اصح المطابع دہلی

[3] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۹ طبع اصح المطابع دہلی۔

[4] مدارج النبوۃ محدث دہلوی۔

۲۵۔ جنگِ حنین میں جب اکثر مسلمان رسول اللہ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تو حضرت علیؑ ثابت قدم رہے اور کافروں سے لڑتے رہے۔ اس جنگ میں جو ستّر کافر مارے گئے ان میں سے چالیس حضرت علیؑ کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ اس جنگ میں صرف حضرت علیؑ، ابوسفیان بن حارث، عباس اور عبداللہ ابن مسعود ثابت قدم رہے[۱]

۲۶۔ غزوہ تبوک میں سرکار رسالتمآب نے حضرت علی کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر فرمایا۔ اور اپنا قائمقام بنا کر دارالسلطنت میں چھوڑا۔ یہ غزوہ ۹ھ میں ہوا۔

۲۷۔ جب سورۂ برأت نازل ہوئی تو سرکارِ رسالت نے حضرت ابوبکر کے حوالہ کی کہ وہ اس کا اعلان کر دیں۔ وہ روانہ ہو گئے۔ اس کے بعد رسول اللہؐ نے حضرت علیؑ کو روانہ کیا۔ کہ وہ ان سے سورۂ برأت لے کر خود اعلان فرمائیں۔ کیونکہ سورہ برأت وہی پہنچا سکتا تھا جو جزوِ رسول ہو اور ان کا اہل ہو، چنانچہ حضرت علیؑ نے سورہ برأت حضرت ابوبکر سے لے لیا اور خود اس کا اعلان کیا۔ یہ واقعہ بھی ذی الحجہ ۹ھ کا ہے۔

۲۸۔ حضرت علی کے متعلق جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ اقضاکم علی تم سب میں سب سے زیادہ ماہر قانون اسلام، علیؑ ہیں۔

۲۹۔ رسول اللہ کی طرح حضرت علیؑ کو ہر حالت میں مسجد میں آنیکی اجازت

---

[۱] مواہب لدنیہ، تاریخ خمیس، فتح الباری

مستدرک علی الصحیحین ج ۳ صـ ۱۱۷، ۱۲۵، ۱۳۴

تھی جن جن اصحاب کے دروازے مسجد کے اندر کھلتے تھے وہ سب بند کرا دیے گئے۔ حضرت علیؑ کا دروازہ کھلا رہا۔

۳۰۔ رسول اللہ نے ہمیشہ علم اسلام حضرت علیؑ کو دیا اور انہیں فوج میں کبھی کسی کے ماتحت نہیں رکھا۔[1]

۳۱۔ حضرت علیؑ علم و عمل، حکمت و شریعت میں یگانہ تھے۔ اس لیے ارباب حکومت کو ہمیشہ مشکلات میں ان کی طرف رجوع کرنا پڑا۔

۳۲۔ اکثر جناب رسول خدا حضرت علیؑ سے راز کی باتیں کیا کرتے تھے اور لوگوں کو حسد ہوتا تھا۔

۳۳۔ آپ اصحاب کسا سے ہیں۔ رسالتمآب نے آپ کو آپ کی زوجۂ محترمہ اور آپ کے فرزندوں کو چادر کے نیچے لیا اور اس پر آیۂ تطہیر نازل ہوئی۔ جو آپ کی عصمت کی دلیل ہے۔

۳۴۔ آپ ہم نفس رسول ہیں۔ اور مباہلہ میں آنحضرت کے ساتھ مع اپنی اہلیہ و فرزندان ذوی الاحترام شریک ہیں اور آیۂ مباہلہ آپ کی عصمت کی دلیل ہے۔

۳۵۔ آپ کو رسول اللہؐ نے امر الٰہی کے مطابق خم غدیر پر اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کیا۔ صحابہ نے آپ کی بیعت کی اور آپ کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کیا۔ اور شعرائے دربار رسالت نے قصائد پڑھے اور رسول اللہؐ نے رسم دستار بندی سے آپ کو سرفراز فرمایا۔

---

[1] ارجح المطالب باب ۲ ص ۵۷۷

۳۶۔ وفات کے قریب آنحضرتؐ نے جیش اسامہ تیار کیا اور اسے فوراً روانہ ہونے کی ہدایت کی۔ اس لشکر میں حضرت علیؑ کے سوا اکثر مہاجرینؓ انصار اسامہ کے ماتحت رکھے گئے۔

۳۷۔ حضرت علی رسول اللہ کی زندگی میں رسول اللہ کی نیابت فرماتے رہے اور حکومت کے مختلف شعبوں میں مختلف خدمات انجام دیتے رہے۔

۳۸۔ اسلام اور رسول اللہ کی حمایت میں علیؑ کے خاندان کی خدمات بہت زیادہ ہیں اور اس خاندان نے حضرت حمزہ اور حضرت جعفر طیار جیسی قربانیاں پیش کی ہیں۔

۳۹۔ وقتِ وفات سرکارِ رسالت کا سر مبارک آپ کی آغوش میں تھا۔ اور آپ سے راز کی باتیں کرتے کرتے رحلت فرمائی۔

۴۰۔ آپ نے سرکارِ رسالت کے متعلق آخری فرائض تجہیز و تکفین کو انجام دیا۔ حضور کو غسل و کفن دیا۔ اور قبر مطہر میں اتارا اور ان فرائض کی انجام دہی کی وجہ سے حکومت کی پرواہ نہیں کی ؎

اماسیکہ روزِ وفاتِ پیمبر
خلافت گزارد بمانم نشیند
(فیضی)

سوالات

۱۔ خاندانِ رسالت کے امتیاز کو بیان کیجئے۔ اور علامہ ابن خلدون کے نظریے کو بیان کر کے ثابت کیجئے کہ اس حقیقی شرف میں حضرت علیؑ پورے طور پر ممتاز تھے۔ اور کسی اور قریشی کو یہ امتیاز حاصل نہ تھا۔

۲۔ خاندانِ بنی ہاشم کی فضیلت میں جو احادیث ہیں انہیں لکھیے اور اس سے حضرت علیؑ کے حقدار سلطنت ہونے کو ثابت کیجئے۔

۳۔ حضرت علی علیہ السلام کی ولادت، پرورش و تربیت وکفر و شرک سے بریت سے ان کے حقوق سلطنت پر روشنی ڈالیے۔

۴۔ حضرت علیؑ کے والدین کی اسلامی خدمات اور ان کی تصدیق رسالت سے ان کے استحقاقِ سلطنت کو بیان کیجئے۔

۵۔ عقدِ مواخات اور حضرت علیؑ کی شب ہجرت جان نثاری سے ان کا استحقاق سلطنت ثابت کیجئے۔

۶۔ غزوۂ بدر کی فتح اور دامادی سرکارِ رسالت سے آپ کے حقوق سلطنت کو نمایاں کیجئے۔

۷۔ غزوۂ احد اور حضرت علیؑ کی ذاتی صلاحیتوں سے آپ کے استحقاق سلطنت پر روشنی ڈالیے۔

۸۔ غزوۂ احزاب یا جنگِ خندق سے حضرت کی امتیازی شان بیان کرکے ان کے حقِ خلافت پر استدلال کیجئے۔

۹۔ غزوۂ خیبر کے واقعات بیان کرکے اس کی امتیازات کو بیان کیا جائے۔ اس غزوہ کا جو اسلامی سلطنت کے قیام، توسیع سلطنت اور مسلمانوں کے معاشی انقلاب سے تعلق ہے اسے لکھ کر ثابت کیجیے کہ سلطنت اسلامیہ پر حضرت علیؑ کا حق فائق تھا۔

۱۰۔ صلح حدیبیہ، فتح مکہ اور فتح حنین میں جناب امیرؑ کی امتیازی شان کو بیان کرکے ان کے استحقاق خلافت پر استدلال کیجیے۔

۱۱۔ جانشینی غزوۂ تبوک اور سورۂ برأت کے واقعہ سے سلطنت کے لیے حضرت علیؑ کے حقوق کی فوقیت ثابت کیجیے۔

۱۲۔ آیۂ مباہلہ اور آیۂ تطہیر سے حضرت کے استحقاقِ سلطنت کو ثابت کیجئے۔

۱۳۔ حضرت علی علیہ السلام کی اور کیا کیا خصوصیات ہیں۔ جن سے ان کا وارثِ سلطنت ہونا ثابت ہے۔

آٹھواں باب

حضرت سعد بن عبادہ "انصار کے نمائندہ" کی خصوصیات

۱۔ نسب۔ سعد نام، ابو ثابت و ابو قیس کنیت، سید الخزرج لقب۔ آپ قبیلۂ خزرج کے خاندان ساعدہ سے ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:
سعد بن عبادہ بن دلیم بن حارثہ ابن حزام بن خزیمہ بن ثعلبہ بن طریف بن خزرج بن ساعدہ بن کعب ابن خزرج الاکبر۔

۲۔ خاندان کی خصوصیات۔ قدیم زمانے سے ان کے خاندان کی خاندانِ رسالت سے قرابتداریاں تھیں۔

۱۔ چنانچہ کنانہ بن خزیمہ کی شادی ہالہ بنت سوید سے ہوئی تھی جو حارثہ الغطریف کی حقیقی پوتی تھی۔[۱]

۲۔ کنانہ کے بعد غالب بن فہر نے قبیلۂ خزاعہ میں شادی کی۔[۲]

۳۔ مرہ بن کعب نے ام تیم بنت سریہ سے نکاح کیا۔[۳]

۴۔ قصی بن کلاب نے بھی خزاعہ سے نکاح کیا جس سے رسول اللہ کے جد عبد مناف پیدا ہوئے۔[۴]

---

[۱] تاریخ یعقوبی جلد۱ ص۲۴۷ [۲] سیرۃ ابن ہشام جلد۱ ص۱۵۶ [۳] سیرۃ ابن ہشام جلد۱ ص۹۰ [۴] طبری جلد ۲ ص۱۰۹۱

۵۔ حضرت ہاشم بن عبد مناف نے سلمیٰ بنت عمرو سے شادی کی۔ حضرت عبد المطلب رسول اللہؐ کے دادا اسی کے بطن سے پیدا ہوئے۔[1]

۶۔ حضرت ہاشم نے خاندان ثعلبہ بن خزرج میں بھی شادی کی۔ اور ابو صیفی انہی سے پیدا ہوئے۔[2]

۷۔ حضرت عبد المطلب نے قبیلہ خزاعہ میں دو شادیاں کی تھیں۔[3]

۸۔ حضرت عبد المطلب کے بیٹے مقوم نے انصار میں شادی کی۔

۹۔ حضرت حمزہ کی دو شادیاں ہوئیں اور دونوں انصار میں ہوئیں۔ ایک بیوی بنو نجار سے تھیں اور دوسری قبیلہ اوس سے جو بنو نجار سے تھیں ان کا نام خولہ بنت قیس تھا۔[4]

۱۰۔ انصار کے متعدد اشخاص نے بھی قریش میں نکاح کیے تھے۔[5]

اس سے صاف ظاہر ہے کہ انصار قریش کے کفو تھے۔ کیونکہ یہ مسلم ہے کہ عرب میں خاندان اور کفو کا بہت لحاظ کیا جاتا تھا۔

خاندانِ انصار کی مندرجہ ذیل خصوصیات کا خود حضرت ابوبکر نے سقیفۂ بنی ساعدہ کی معرکۃ الآرا تقریر میں اعتراف فرمایا ہے:۔

۱۔ انصار نے رسولؐ کو اپنے ہاں پناہ دی۔

---

[1] سیرت ابن ہشام جلد ۱ صـ ۶۱ ، [2] سیرت ابن ہشام جلد ۱ صـ ۶۱

[3] سیرت ابن ہشام جلد ۱ صـ ۶۱ ، — تاریخ یعقوبی جلد ۱ صـ ۲۹۱

[4] زرقانی جلد ۳ صـ ۲۱۵ ، مسند جلد ۶ صـ ۴۱۰ [5] صحیح بخاری جلد ۲ صـ ۵۸۴

۲۔ انصار رسول اللہ کی حمایت میں سینہ سپر رہے۔

۳۔ انصار کی عادت ہمیشہ ایثار کی رہی انہوں نے ہمیشہ اپنے بھائیوں (مہاجرین) کے ساتھ ایثار سے کام لیا۔

اس کے علاوہ انصار کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ عہد نبوت میں جو غزوات پیش آئے ان میں انصار نے مجمع عرب کا مقابلہ کیا اور سب سے زیادہ انہی لوگوں نے جانبازی اور فدائیت کا ثبوت پیش کیا حضرت قتادہؓ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ قبائل عرب میں کوئی قبیلہ انصار سے زیادہ شہداء نہ لا سکے گا۔ میں نے حضرت انس سے سنا کہ اُحد میں ۷۰، بیر معونہ میں ۷۰، اور یمامہ میں ۷۰، انصاری شہید ہوئے قرآن وحدیث میں مخلص انصار کے فضائل کثرت سے بیان کیے گئے ہیں۔ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کے متعلق یہ وصیت فرمائی کہ انکے ساتھ خاص رعایت کی جائے۔ ان کے اچھوں سے سلوک اور بُروں سے درگزر کا برتاؤ کیا جائے[۱]

حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے جس نے اہل مدینہ کو ڈرایا گویا مجھے ڈرایا[۲]

قریش نے انصار کے اسلام کو نہایت خوف اور دہشت کی نگاہ سے دیکھا تھا۔ چونکہ وہ یہ جانتے تھے کہ انصار ایک جنگجو قوم ہے۔ اور وہ آنحضرت

---

[۱] سیر الانصار حصہ اول صفہ ۱۴۹ ۔ [۲] مسند احمد حنبل جلد ۳ صفہ ۲۵۴ ۔ سیر الانصار حصہ اول صفہ ۲۰۴ ۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کی پوری طرح حفاظت کرے گی اور مسلمان ضرور مدینہ ہجرت کریں گے[1]

مدینہ کا علاقہ انصار کی قدیم ملکیت تھا۔ اس کے ماسوا آغازِ اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے بڑی مدد انصار نے کی تھی۔ جس زمانہ میں کہ اسلام بے خانماں تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام قبائل عرب پر اپنے آپ کو پیش کرتے تھے۔ کہ مجھ کو مکہ سے اپنے وطن لے چلو۔ لیکن قریش کے دبدبہ و رعب کی وجہ سے کوئی حامی نہیں بھرتا تھا۔ انصار کے ایک مختصر قافلہ نے جو صرف ۷۰ اشخاص پر مشتمل تھا عرب وعجم کی جنگ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مکہ آکر بیعت کی اور آپ کو اپنے وطن مدینہ میں مدعو کیا۔[2]

۳۔ حضرت سعد بن عبادہ اپنے قبیلہ کے سردار تھے۔ سیّد الخزرج کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ ان کے دادا ولیم قبلیہ خزرج کے سردارِ اعظم تھے۔ اور مدینہ کے مشہور مخیّر تھے۔ خاندان ساعدہ کی عظمت و جلالت کا سکہ انہی نے بٹھایا۔ حضرت سعد کے والد عبادہ، باپ کے خلف الرشید تھے۔ اسی شان سے اپنی زندگی بسر کی اور اپنے بیٹے کے لیے سندِ امارت و ریاست چھوڑ گئے۔[3]

۴۔ انہیں عرب کے قاعدہ کے مطابق تیر اندازی و تیراکی سکھائی گئی۔[4]

---

[1] سیر الانصار حصہ اول ص ۹۵۔ [2] سیر الانصار حصہ ۲ ص ۲۶ و ۲۷۔ [3] سیر الانصار حصہ ۲ ص ۱۹۔

[4] طبقات ابن سعد ص ۱۴۲ مغازی آنحضرت[2] سیر الانصار حصہ ۲ ص ۱۹،

۵۔ اگرچہ انصار میں ایک آدمی بھی لکھنا نہیں جانتا تھا لیکن حضرت سعد بن عبادہ کی تعلیم میں جو اہتمام ہوا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ جاہلیت میں ہی نہایت عمدہ عربی لکھ لیتے تھے[1]۔

۶۔ ان تینوں چیزوں میں اس درجہ کمال بہم پہنچایا کہ استاد ہو گئے۔ اس بنا پر لوگوں نے "کامل" کا لقب دیا[2]۔

۷۔ عقبۂ ثانیہ میں اسلام قبول کیا۔ اور ان کا شمار بلند پایہ صحابہ میں کیا گیا۔ چنانچہ بخاری میں ہے۔ "وکان ذاقدم فی الاسلام" یعنی بڑے پایہ کے مسلمان تھے[3]۔

۸۔ بیعت عقبہ جس شان سے ہوئی انصار کے جس قدر آدمی اس میں شامل ہوئے، جن اہم شرائط پر بیعت کا انعقاد ہوا یہ کام اگرچہ خفیہ اور نہایت خفیہ تھا لیکن پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا۔ قریش کو ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی فکر لاحق رہتی تھی۔ چنانچہ جس وقت رات کے وقت آپ مکہ سے باہر انصار سے بیعت لے رہے تھے جبل ابو قبیس پر کوئی شخص چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا، سعد مسلمان ہوئے تو محمدؐ بالکل نڈر ہو جائے گا۔ قریش کے کان میں اگرچہ یہ آواز پہنچ گئی تاہم ان کا خیال ادھر منتقل نہ ہوا۔ وہ قضاعہ اور تمیم کے سعد نامی اشخاص کو سمجھے۔ اس وجہ سے بیعت میں مزاحمت نہ کی۔

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۴۷۵۔ [2] سیر الانصار حصہ ۲ ص ۱۹ و ص ۲۰
[3] سیر الانصار۔ حصہ ۲ ص ۲۰۔

دوسری رات کو پھر اسی پہاڑ سے چند اشعار سنے گئے۔ جن میں صاف صاف ان کا نام و نشان موجود تھا۔ قریش کو سخت حیرت ہوئی۔ تحقیق واقعہ کے لیے قریش کی فرودگاہ میں آئے۔ عبداللہ بن ابی بن سلول سے جو قبیلۂ خزرج کا رئیس تھا گفتگو ہوئی۔ اس نے اس واقعہ سے بالکل لاعلمی ظاہر کی۔ یہ لوگ چلے گئے، تو مسلمانوں نے یاؤج کا راستہ لیا۔ قریش نے ہر طرف سے ناکہ بندی کرادی تھی۔ سعد بن عبادہ اتفاق سے ہاتھ لگ گئے۔ کافروں نے ان کو پکڑ کر ہاتھ گردن سے باندھ دیے اور بال کھینچ کھینچ کر زدو کوب کرتے ہوئے مکہ لائے مکہ میں مطعم بن عدی نہایت شریف انسان تھا۔ ابتدائے اسلام میں اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت خدمت کی تھی اس نے حارث بن امیہ بن عبد شمس کو ساتھ لیا۔ اور ان کو پہچان کر قریش کے پنجۂ ظلم وستم سے نجات دلائی[1]

ادھر انصار میں بڑی کھلبلی پڑی تھی۔ مجلس شوریٰ قائم ہوئی جس میں طے پایا کہ چاہے جانیں خطرہ میں کیوں نہ پڑ جائیں مگر مکہ واپس چل کر سعد کا پتہ لگانا چاہیئے۔ ان کا یہ ارادہ ابھی قوت سے فعل میں نہ آیا تھا کہ سعد آتے ہوئے نظر آئے۔ اور وہ ان کو لے کر سیدھے مدینہ روانہ ہو گئے[2]

---

[1] طبقات ابن سعد ج اق ا صفحہ ۱۵۰، سیر الانصار حصہ دوم صفحہ ۲۰ وصفحہ ۲۱

[2] طبقات سعد ج اق ا صفحہ ۱۵، سیر الانصار حصہ ۲ صفحہ ۲۱

۹۔ ۲ھ میں سرکارِ رسالت ابواء تشریف لے گئے۔ یہ پہلی مکہ کی طرف واقعہ ہے۔ قریش کی تنگ میں تشریف لے گئے تھے۔ اس لشکر میں کوئی انصاری نہ تھا۔ حضرت سعد کو مدینہ میں اپنا قائم مقام اور جانشین بنا دیا۔[۱]

۱۰۔ غزوۂ بدر میں اگرچہ غزوہ کا سامان حضرت سعد نے کیا تھا، لیکن کتے نے انہیں کاٹ کھایا، اس لیے بدر میں جنگ میں شرکت نہ فرما سکے۔ سرکارِ رسالت نے سنا تو فرمایا، افسوس، ان کو شرکت کی بڑی حرص تھی۔ تاہم حضور نے مالِ غنیمت میں حصہ لگایا اور اصحابِ بدر میں شامل کیا۔[۲]

۱۱۔ ایک دفعہ مدینہ سے باہر جا کر بھی آنحضرت کی رکاب میں جنگ کرنے کا سعد بن عبادہ نے ان الفاظ میں اعلان کیا:۔

"اے اللہ کے رسول! اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر آپ سمندر کا حکم دیں تو اسے پامال کر ڈالیں اور اگر خشکی کا حکم دیں تو برک غماد (یمن کا ایک مقام ہے) تک اونٹوں کے کلیجے پگھلا دیں۔ یہ سنکر رسول اللہ خوش ہوئے اور جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا۔[۳]"

---

[۱] طبقات ابن سعد صد ۳، مغازی آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم، سیر الانصار حصہ ۲ صد ۲۱

[۲] فتح الباری جلد ۷ صد ۲۲۴، سیر الانصار حصہ ۲ صد ۲۲

[۳] صحیح مسلم جلد ۲ صد ۸۴، سیر الانصار حصہ ۲ صد ۲۲۔

۱۲۔ غزوۂ اُحد میں مشرکین اس سروسامان سے آئے تھے کہ مدینہ والوں پر خوف طاری ہوگیا تھا۔ شہر میں تمام رات شب جمعہ پہرہ رہا۔ اس موقعہ پر حضرت سعد چند اکابر انصار کے ساتھ مسجد نبوی میں ہتھیار لگائے سرکار رسالت کے مکان کی حفاظت کر رہے تھے۔[1]

۱۳۔ غزوۂ احد میں سرکارِ رسالت نے خزرج کا علم حضرت سعد بن عبادہ کے سپرد کیا۔[2]

۱۴۔ بروز ہفتہ (شنبہ) اُحد میں سخت رن پڑا مسلمانوں کے پیر اکھڑ گئے تھے۔ مہاجرین وانصار میں سے صرف ۱۴ آدمی ثابت قدم رہے تھے حضرت سعد بن عبادہ کا شمار ان ہی میں ہے۔[3]

۱۵۔ غزوۂ مصطلق جو ۵ھ میں ہوا اوس و خزرج دونوں جماعتوں کا علم حضرت سعد بن عبادہ کے سپرد ہوا۔[4]

۱۶۔ غزوۂ احزاب (جنگِ خندق) میں انصار کا علم سعد بن عبادہ کے پاس تھا۔[5]

۱۷۔ ۶ھ میں سرکارِ رسالت نے غابہ پر حملہ کیا اور حضرت سعد بن عبادہ کو ۳۰۰ آدمیوں کا افسر مقرر کرکے مدینہ کی حفاظت کے لیے چھوڑ گئے اور اپنی جانشینی کا فخر عطا فرمایا۔[6] وہاں امداد کی ضرورت ہوئی

۱؎ طبقات ابن سعد ص ۲۶ حصہ مغازی، سیر الانصار ج ۲ ص ۲۳
۲؎ سیر الانصار حصہ ۲ ص ۲۳، ۳؎ زرقانی جلد ۲ ص ۴۰، ۴؎ طبقات سعد ص ۴۵ باب مغازی
۵؎ طبقات سعد ص ۴۸ باب مغازی، ۶؎ طبقات سعد ص ۵۵ باب مغازی۔

حضرت سعد نے ۱۰ اونٹ اور چھوہاروں کے بہت سے گٹھے روانہ کیے جو رسول اللہ کو ذی قرد میں مل گئے[1]

۱۸۔ ۶ھ میں صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان ہوئی۔ آپ اس میں شریک تھے[2]

۱۹۔ غزوہ خیبر ۷ھ میں تین جھنڈے تھے۔ جن میں سے ایک حضرت سعد کے پاس تھا[3]

۲۰۔ فتح مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم آپ کے پاس تھا[4]

۲۱۔ فتح مکہ کے بعد حنین کا معرکہ ہوا۔ اس میں قبیلہ خزرج کا علم حضرت سعد ہی کے پاس تھا (فتح الباری جلد ۸ ص۷ استیعاب جلد ۲ ص۲۵ و ۲۶)

۲۲۔ ان غزوات کے علاوہ جو لڑائیاں عہد نبوی میں ہوئیں ان میں حضرت سعد نے نمایاں طور پر حصہ لیا۔ میدان جنگ میں انصار کے وہی علمبردار ہوتے تھے[5]

۲۳۔ انصار میں دو بزرگ قوم کے سردار تسلیم کیے جاتے تھے۔ حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن معاذ، حضرت سعد بن معاذ زمانہ رسالت میں انتقال فرما گئے۔ حضرت سعد بن عبادہ باقی رہے۔ جن کا اوس و خزرج میں وجاہت اور امارت میں کوئی حریف و مقابل نہ تھا[6]

---

[1] طبقات سعد ص۵۸ باب مغازی، [2] سیر الانصار حصہ ۲ ص۲۴، [3] طبقات سعد ص۲، [4] طبقات سعد ص۹۸ فتح الباری جلد ۸ ص۶

[5] سیر الانصار حصہ ۲ ص۲۶

[6] سیر الانصار حصہ ۲ ص۲۶

۲۴- حضرت سعد بن عبادہ نے سقیفہ بنی ساعدہ میں جو تقریر کی اس کا ماحصل یہ ہے:

انصار کو جو شرف اور سبقت فی الدین حاصل ہے عرب کے کسی قبیلہ کو حاصل نہیں، آنحضرتؐ دس برس سے زیادہ اپنی قوم میں رہے لیکن ان کی کسی نے نہ سُنی۔ جو لوگ ان پر ایمان لائے وہ تعداد میں بہت کم تھے۔ ان میں نہ تو رسول اللہ کی حفاظت کی طاقت تھی نہ دین کے بلند کرنے کی قوت، وہ تو خود اپنی حفاظت سے عاجز تھے۔ خدا نے جب تم کو فضیلت دینا چاہی تو یہ سامان بہم پہنچایا کہ تم ایمان لائے، رسول اللہ اور ان کے اصحاب کو پناہ دی۔ اور اپنے سے رسول اللہ کو عزیز سمجھا، ان کے اعدا سے جہاد کیا۔ یہاں تک کہ تمام عرب طوعاً و کرہاً خلافتِ الٰہی میں شامل ہو گیا۔ اور بعید و قریب سب نے گردنیں ڈال دیں۔ بس یہ تمام مفتوحہ علاقہ تمہاری تلواروں کا مرہونِ منت ہے۔ رسول اللہ زندگی بھر تم سے خوش رہے اور وفات کے وقت بھی خوش گئے اس بنا پر خلافت کا تم سے زیادہ کوئی مستحق نہیں۔"

تقریر ختم ہوئی تو تمام مجمع نے یکزبان ہو کر کہا کہ رائے نہایت معقول و صائب ہے۔ ہمارے نزدیک اس منصب کے لیے آپ سے زیادہ کوئی موزوں نہیں، ہم آپ ہی کو خلیفہ بنائیں گے۔[1]

---

[1] سیر الانصار حصہ ۲ صفحہ ۲۸۔

۲۵۔ حضرت سعد نے احادیث کی کتابیں بھی لکھی ہیں مسند احمد بن حنبل میں ہے۔ کہ انہوں نے حضرت سعد بن عبادہ کی کتابوں یا کتاب میں پایا[1]

۲۶۔ حضرت سعد بن عبادہ نہایت سخی، جواد اور فیاض تھے۔ اسمار الرجال میں ان کا تذکرہ ان الفاظ میں ہے۔ وکان کثیر الصدقات جدا۔ سعد بہت ہی کثیر الصدقات تھے۔ اصحاب صفہ صحابہ کی ایک جماعت تھی، جو دور و دراز ملکوں سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں آگئی تھی۔ ان کا منشا تحصیل علم اور تکمیل مذہب ہوتا تھا۔ رسول اللہ نے ان کو ذی مقدرت لوگوں سے متعلق کر رکھا تھا۔ چنانچہ اور لوگ تو ایک دو آدمی اپنے ہاں لے جاتے تھے، لیکن حضرت سعد ۸۰ آدمیوں کو برابر شام کے کھانے پر مدعو کرتے تھے[2]

---

[1] مسند جلد ۵ ص ۲۸۵
[2] سیر الانصار حصہ ۲ ص ۳۲

سوالات

۱۔ حضرت سعد بن عبادہ کا نسب بیان کر کے ان کے خاندان کی جو رشتہ داریاں قبلِ بعثت خاندانِ رسالت سے تھیں بتلائیے۔ اور اس سے جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے اسے بیان کیجئے۔

۲۔ خاندانِ انصار کی کون سی خصوصیات ہیں جن کا حضرت ابوبکر نے سقیفۂ بنی ساعدہ میں اعتراف فرمایا۔

۳۔ غزوات عہدِ نبوت میں انصار کی امتیازی شان کو نمایاں کیجئے۔

۴۔ انصار کے فضائل میں جو احادیث ہیں انہیں بیان کیجئے۔

۵۔ انصار کے اسلام لانے کا قریش پر کیا اثر پڑا، انہیں قبائل عرب میں کیا خصوصیت حاصل ہے؟ انصار نے رسول اللہؐ سے کس بات پر بیعت کی تھی؟

۶۔ سعد بن عبادہ اور ان کے گھرانے کی قبیلہ خزرج میں کیا پوزیشن تھی، ان کی علمی اور فنی قابلیتوں پہ اظہارِ خیال کیجیے۔

۷۔ سعد بن عبادہ کے اسلام لانے کے واقعات لکھیے۔

۸۔ حضرت سعد کی مدینہ میں قائم مقامی اور ان کے متعلق

بدر کے واقعات بیان کیجئے۔ اور لکھیے کہ سعد نے حضور کی
رکاب میں جنگ کرنے کا کس طرح اعلان کیا؟

۹۔ غزوۂ اُحد میں سعد بن عبادہ کی خدمات بیان کیجئے

۱۰۔ حضرت سعد کی تمام غزدات عہد نبوت میں خصوصیات
اور ان کی اسلامی خدمات کو بیان کیجئے۔

۱۱۔ حضرت سعد بن عبادہ کو جو حضور کی جانشینی کا
دوسرا موقعہ ملا، اسے لکھیے۔

۱۲۔ سعد بن عبادہ کی سقیفہ میں تقریر کا خلاصہ پیش
کیجئے۔

۱۳۔ سعد بن عبادہ کی اخلاقی اور معاشرتی اور علمی خصوصیات
کو بیان کیجئے۔

نواں باب

حضرت ابوبکر حزبِ اقتدار کے نمائندہ کی خصوصیات

۱۔ نسب۔ حضرت ابوبکر عبداللہ بن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب القرشی التیمی ہے۔ اور سلسلۂ نسب میں آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم سے مرہ سے ملتے ہیں[۱] یعنی ساتویں، آٹھویں پشت میں رسول اللہ سے ملحق ہیں۔

۲۔ آپ دستِ حق پرست سرکارِ رسالت پر ساتویں نمبر پہ زید بن حارثہ کے بعد مشرف بالاسلام ہوئے۔

۳۔ آپ نے رسول اللہؐ کے ساتھ ہجرت فرمائی اور غار میں حضور کے ساتھ چھپے۔ رسول اللہؐ اس وقت آپ کو ان قرآنی الفاظ میں تسلّی دے رہے تھے "لاتحزن ان اللہ معنا۔ حزن و ملال نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

۴۔ مجمل طور پر کہا جاتا ہے کہ آپ نے رسول اللہؐ کی مالی مدد فرمائی

---

[۱] تاریخ الخلفاء (اردو ترجمہ) ص ۱۵ مطبوعہ مطبع صدیقی لاہور

مگر اس کی تفصیل نہیں ملتی۔ شعب ابوطالب میں محصور ہونے کا زمانہ رسول اللہؐ پر نازک ترین دور تھا۔ اور آپ کو مالی امداد کی انتہائی ضرورت تھی۔ اس زمانہ میں آپ نے رسول اللہ کی مالی مدد کی ہو اس سے تاریخ خاموش ہے اور کوئی ریکارڈ نہیں ملتا۔

۵۔ ہجرت کے موقعہ پر آپ نے رسول اللہ کی خدمت میں ایک اونٹ پیش کیا۔ مگر سرکارِ رسالت نے اسے بلا قیمت قبول نہیں فرمایا اور قیمت پر مع منافع آپ سے خرید فرمایا۔

۶۔ آپ معمر اور مسن تھے۔ رسول اللہؐ سے تقریباً دو ڈھائی سال چھوٹے تھے۔

۷۔ آپ غزوہ بدر میں عریش کے محفوظ مقام میں بیٹھے ہوئے تھے۔

۸۔ حضرت ام المومنین بی بی عائشہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر نے اپنے ساتوں غلام آزاد کر دیے۔

۹۔ حضرت ابوبکر نے اپنی بیٹی حضرت ام المومنین بی بی عائشہ کا عقد رسول اللہ سے کر دیا۔

۱۰۔ جنگِ اُحد میں اکثر مسلمان رسول اللہ کو میدانِ جنگ میں چھوڑ کر چل دیے تھے۔ ان میں حضرت ابوبکر بھی تھے۔

۱۱۔ جنگِ خندق میں آپ کا کوئی کارنمایاں نظر نہیں آتا آپ نے ایک کافر کو بھی نہیں مارا۔

۱۲۔ جنگِ خیبر میں آپ کو نمایاں ہونے کا موقعہ ملا۔ مگر آپ قلعہ کو فتح نہ کر سکے۔ اور بے نیل و مرام واپس آئے۔

۱۳۔ فتح مکہ کے دن آپ نے سارا وقت اپنے پرانے دوستوں میں گزارا۔

۱۴۔ جنگِ حنین میں آپ ثابت قدم نہ رہے۔

۱۵۔ رسول اللہ ؐ کی زندگی میں آپ کو کبھی رسول اللہ کی قائمقامی یا جانشینی کا موقعہ نہ ملا۔ زمانۂ علالت میں آپ کی پیش نمازی کی روایت مشہور ہے جس پر ہم اس کتاب کی پہلی جلد میں روشنی ڈال چکے ہیں۔

۱۶۔ آپ سے رسول اللہ نے کبھی راز داری کی باتیں نہیں کی ہیں۔

۱۷۔ آپ نہ نزول آیۂ تطہیر میں شامل تھے اور نہ مباہلہ میں شریک تھے۔

۱۸۔ آپ کو نہ معصوم ہونے کا دعوےٰ ہے اور نہ مسلمانوں میں سے کوئی آپ کی عصمت کا قائل ہے۔ بلکہ اقوال و خطبات میں آپ کو اپنے غیر معصوم ہونے کا اعتراف ہے۔

۱۹۔ آپ حضرت اسامہ کے ماتحت جیش اسامہ میں بحکم رسول مامور تھے۔ مگر آپ اس میں تشریف نہیں لے گئے۔

۲۰۔ آپ کا غزوات رسول میں کسی غزوہ میں کفار میں سے

کسی کو مارنا ثابت نہیں ہے۔

۲۱۔ آپ کا غزوات رسول میں کسی غزوہ میں خفیف سے خفیف زخم کھانا ثابت نہیں ہے۔

۲۲۔ آپ سورہ برائت کی تبلیغ پر مامور ہوئے تھے۔ مگر پھر یہ فریضہ حضرت علیؑ کے سپرد کیا گیا اور آپ واپس بلا لیے گئے۔

۲۳۔ آپ کا کئی ایک مسائل شرعیہ سے واقف نہ ہونا کتب سے ثابت ہے اور آپ نے کبھی علمی خصوصیت کا اعلان بھی نہیں فرمایا۔

۲۴۔ آپ وقت وفات رسول مدینہ میں موجود نہیں تھے۔ بلکہ اپنی نئی بیوی کے ساتھ محلہ سنخ میں تھے۔

۲۵۔ آپ اپنی کمزوریوں سے اچھی طرح آگاہ تھے اور ان کے بیان کرنے میں نہایت صاف گوئی سے کام لیتے تھے جیسا کہ آپ کے خطبات سے ظاہر ہے۔

۲۶۔ آپ رسول اللہ کے جنازے کو بے گور وکفن چھوڑ کر سقیفۂ بنی ساعدہ میں تشریف لے گئے اور وہاں حصولِ خلافت کے لیے جدوجہد فرمائی۔

سوالات

۱۔ حضرت ابوبکر کا نسب بیان کرکے لکھو کہ وہ کس پشت میں رسول اللہ سے ملحق ہوتے ہیں؟

۲۔ آپ کتنے آدمیوں کے بعد اسلام آئے اور آپ کی واقعۂ ہجرت میں شمولیت کو بیان کیجئے۔

۳۔ کیا آپ نے رسول اللہ کی مالی امداد کی؟

۴۔ واقعۂ ہجرت میں اونٹ کی خرید و فروخت کے واقع کو بیان کیجئے۔

۵۔ آپ کے سن وسال کو لکھیے۔ آپ کی رسول اللہ سے کیا قرابت تھی۔

۶۔ کیا جنگِ بدر و احد میں آپ نے کوئی عسکری خدمت انجام دی؟

۷۔ جنگِ خندق و جنگِ خیبر میں آپ سے کوئی کارِ نمایاں ہوا۔

۸۔ فتح مکہ اور غزوۂ حنین میں آپ نے کیا حصہ لیا۔

۹۔ کیا آپ کو عہدِ رسالت میں رسول اللہ کی قائمقامی کا کوئی موقعہ ملا؟

۱۰۔ کیا آپ نے عصمت کا کبھی دعویٰ کیا؟

۱۱۔ کیا غزوات میں آپ کے ہاتھ سے کوئی شخص مارا گیا یا آپ کے جسم پر کوئی زخم آیا۔

۱۲۔ جیش اسامہ میں آپ کی کیا پوزیشن تھی اور کیا جیش اسامہ میں آپ نے ارشاداتِ سرکار رسالت کی تعمیل کی؟

۱۳۔ سورۂ برائت میں آپ کے تقرر کے بعد کیا ہوا؟

۱۴۔ آپ کی علمی خصوصیات پر روشنی ڈالیے۔

۱۵۔ کیا آپ نے تجہیز و تکفین سرکار رسالت میں شرکت کی اگر نہیں تو کیوں؟
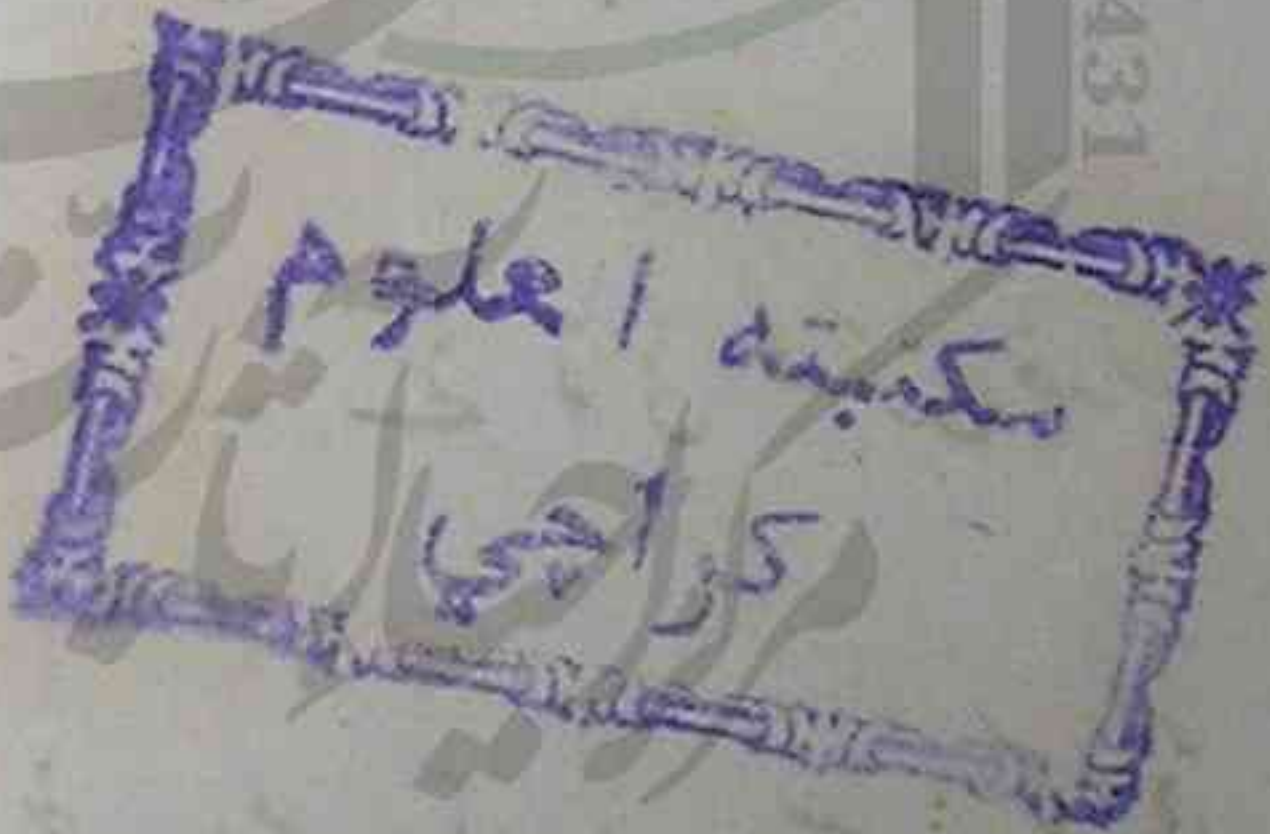
دسواں باب

ارتدادی زلزلہ

حضرت ابوبکر کی عام مخالفت

اس مخالفت کو دبانے کے لیے تدابیر

اگرچہ مدینہ طیبہ میں ایک پارٹی نے بیعت کر لی تھی اور اس گروہ کی سیاست سے عوام نے (فلتۃً) بغیر سوچے سمجھے انہیں خلیفہ تسلیم کر لیا تھا۔ مگر ملک کی اکثریت ان کے خلاف تھی۔ کوئی نسب، قبیلہ، کوئی گروہ، کوئی مقام اور کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں یہ سیلاب نہ پہنچا ہو۔ عرب بھر کے قبائل کے نام گنوانے کی ضرورت نہیں۔ اس مخالفت کے شواہد ہیں۔

تمام عرب مرتد ہو گیا ۱؎ ارتدت العرب اما عامۃ او خاصۃ من کل قبیلۃ وظھر النفاق

تمام عرب عام خاص ہر قبیلہ کے مرتد ہو گئے۔ نفاق ہر طرف ظاہر ہونے لگا۱؎

۱؎ تاریخ طبری و کامل

۲- ارتدت کل قبیلۃٍ عامۃ وخاصۃ الا قریشاً وثقیفاً

عرب کا ہر قبیلہ وہ عام ہو یا خاص سوا قریش اور ثقیف کے مرتد ہو گیا۔ ۱؎

۳- حضرت ام المومنین بی بی عائشہ فرماتی ہیں کہ بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں میں نفاق پیدا ہو گیا۔ عرب مرتد ہو گئے اور انصار علیحدہ ہو گئے۔ ۲؎

یہ ارتداد کیسا

بظاہر کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ رسول اللہؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی تمام قبائل عرب اسلام سے کیوں پلٹ گئے کیا تمام عالم اسلامی رسول اللہؐ کی رعایت کرتے ہوئے اسلام لایا تھا؟ کیا رسول اللہؐ کا کوئی خاص اثر ان لوگوں پر تھا؟ کیا رسول اللہؐ نے دولت کے زور سے ان لوگوں کو مسلمان بنایا تھا؟ کیا رسول اللہؐ نے تلوار کے زور سے اسلام پھیلایا تھا؟ اس محل پر جو اس قسم کے سوالات انسانی دماغ پیدا کرتا ہے ان کا اقرار اور ان کی تائید کوئی مسلمان نہ کر سکتا ہے اور نہ کرے گا۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کے مان لینے کے بعد تبلیغِ رسول پر کاری ضرب پڑتی ہے۔ پھر آخر کیا وجہ تھی کہ صرف دو قبیلے مسلمان رہ گئے۔ باقی ساری دنیا کافر اور مرتد ہو گئی۔

جس ارتداد کا یہ شور وغل ہے وہ آخر کیا تھا

اس ارتداد کی حقیقت پر چند واقعات

۱؎ تاریخ کامل صـ ۱۳۰ ۲؎ تاریخ الخلفاء اردو ترجمہ صـ ۲۷ مطبع صدیقی لاہور

روشنی ڈال رہے ہیں۔ عمرو بن حریث نے سعید بن زید سے پوچھا تھا کہ تم رسول اللہ کی موت کے دن موجود تھے۔ کہا ہاں، کہا کہ بیعت ابی بکر کس دن ہوئی تھی جواب دیا اسی دن جس دن رسول اللہ نے وفات پائی تھی، کیونکہ لوگوں نے خیال کیا کہ بغیر خلیفہ کے رہنا ٹھیک نہیں۔ پوچھا تو کیا کسی نے اختلاف تو نہیں کیا۔ جواب دیا کہ نہیں ایسی اسی نے اختلاف کیا کہ جو مرتد تھا یا عنقریب مرتد ہو جانے والا تھا۔[۱]

اس جواب نے سب مخالفت کرنے والوں کو خواہ وہ بنی ہاشم ہوں یا مہاجر یا انصار، ارتداد کے دامن میں سمیٹ لیا اور مخالفت کرنے والے زیر اقتدار کہ مرتد نظر آنے لگے۔ جو لوگ مرتد کہے جاتے ہیں وہ مسلمان تھے یا نہیں۔ اس کو ان کے عقائد سے جانچئے۔ چنانچہ اولاد عید مناۃ کا بھی شمار مرتدین میں کیا گیا ہے۔ اور دیگر قبائل کا بھی۔ صرف اس لیے کہ وہ اہل بیعت ابی بکر کے قائل نہ تھے اور نہ ان کو خلیفہ مانتے تھے۔ یہ لوگ بنی ذبیان کہلاتے تھے۔ ان کا اسلام اور ان کا ارتداد اس شعر سے معلوم ہو جائیگا

اطعنا رسول اللہ ما کان بینینا

فیال عباد اللہ ما لابی بکر

ہم نے رسول اللہ کی اطاعت کی۔ جب تک وہ ہم میں زندہ رہے مگر یہ ابو بکر کو کیا ہو گیا ہے، ہم ان کی اطاعت کیوں کریں۔[۲]

---

[۱] تاریخ طبری جلد سوم صہ ۲۰۱ طبع مصر

[۲] تاریخ طبری صہ ۲۱۳۔

مالک بن نویرہ مالک بن نویرہ کا مشہور واقعہ ہے، جسے ہم مانعین زکوٰۃ کے حالات میں لکھیں گے، ان کے مسلمان ہونے پر بعض اصحاب نبی اور خود حضرت عمر کی گواہیاں موجود ہیں مگر باوجود اس کے وہ قتل کر دیئے گئے اور ارتداد کا الزام ان کے قتل کا باعث بنا، مالک کے اسلام پر جن لوگوں نے گواہی دی ان میں ابو قتادہ صحابی رسول بھی تھے۔[1]

اس مخالفت کو دبانے کیلئے حضرت ابوبکر کا عام حکمنامہ

حکمنامہ حضرت ابوبکر خلیفۃ المسلمین:-

"یہ خط ہے ابوبکر خلیفۂ رسول کی طرف سے ہر خاص وعام کی طرف خواہ وہ اسلام پر قائم ہو یا اس سے پھر گیا ہو"

"میں فلاں شخص کو ایک فوج کے ساتھ تمہاری طرف روانہ کر رہا ہوں اور اس فوج کو میں نے حکم دیا ہے کہ تم لوگوں میں جو شخص میرا حکم نہیں مانتے اس سے ضرور لڑے اور جو شخص قابو میں آجائے اس پر ذرہ برابر بھی رحم نہ کرے۔ ان سب کو آگ میں جلا دے سب کو اچھی طرح قتل کرے اور عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنائے۔"[2]

جیش اسامہ کی روانگی صفر ۱۱ھ میں رسول اللہ ص نے اپنی وفات سے چند روز قبل باوجود شدت مرض کے

[1] تاریخ کامل ابن اثیر جزری و تاریخ ابن جریر طبری۔ [2] تاریخ طبری جلد ۳ ص ۲۲۷

حکم دیا کہ اہل روم کے ساتھ جنگ کرنے کو جائیں اور اسامہ بن زید کو اس لشکر کا سردار مقرر فرمایا۔ اس وقت اسامہ کی عمر ۱۸ یا ۱۹ برس کی تھی۔ رسول اللہ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ سوائے حضرت علیؑ کے سب مہاجرو انصار یعنی حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، سعد بن ابی وقاص، ابوعبیدہ بن الجراح، سعید بن زید قتادہ بن النعمان وغیرہ اسامہ کے ماتحت جائیں۔ صحابہ کو یہ ناگوار گزرا اور یہ میگوئیاں کرنے لگے۔ جب سرکار رسالت کو اس کا علم ہوا، باوجود شدت مرض خطبہ ارشاد فرمایا اور فرمایا کہ لوگو! تم اسامہ کی سرداری سے منحرف ہو اور اعتراض کر رہے ہو۔ جس طرح اس کے باپ زید کے سردار فوج ہونے پر اعتراض کر رہے تھے۔ خدا کی قسم وہ سرداری کا سزاوار ہے اور اس کا باپ بھی اہل تھا۔ میں ان باپ بیٹے کو بہت عزیز رکھتا ہوں۔ اس کے ساتھ جاؤ اسامہ لشکر کو لے کر روانہ ہوئے۔ حضرت ابوبکر و عمر اب بھی اس کے ساتھ نہیں گئے تھے، بلکہ مدینہ میں رہ گئے تھے۔ جب رسول اللہ کی حالت نازک ہو گئی، اسامہ کی ماں نے اسے واپس بلا لیا۔[۱]

جب سرکار رسالت کا انتقال ہو گیا تو حضرت ابوبکر نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لے کر جیش اسامہ کو حدِ شام کی طرف روانہ کر دیا۔ اس میں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ حضرت ابوبکر اس شدید مخالفت کا جوان کے خلاف شروع ہو گئی تھی رُخ فوجی مہم کی طرف پھیرنا چاہتے تھے۔ حضرت ابوبکر کی یہ نفسیاتی حکمت بہت کامیاب رہی۔

---

[۱] مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۴۸۸، تاریخ کامل جلد ۲ ص ۱۲۰، طبری جلد ۳ ص ۱۸۸۔

مدینہ خطرہ میں

حضرت ابوبکر کی مخالفت کرنے والے قبائل مدینہ پر حملہ کے لیے تیاریاں کرنے لگے۔ حضرت ابوبکر نے نواح مدینہ کے مخالفوں کا مقابلہ کرنے اور دارالحکومت کو بچانے کے لیے انتظامات شروع کیے۔ آپ نے ابرق کے مقام پر بنی عبس سے جنگ کی وہ شکست کھا کر بھاگ گئے، تو یہ آگے بڑھے اور بنی ذبیان سے لڑائی ہوئی انہیں مغلوب کر کے مدینہ کو حملہ سے بچایا۔ غلبہ کے بعد بنی ذبیان کی چراگاہیں اپنی فوج کے گھوڑوں کے لیے وقف کر دیں۔

مانعین زکوٰۃ یا منکرین زکوٰۃ

ذہبی کہتے ہیں کہ جب وفات جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خبر گرد و نواح میں مشہور ہوئی تو اکثر قبائل عرب اسلام سے مرتد ہو گئے اور زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا پس حضرت ابوبکر نے ان پر فوج کشی کا حکم دیا حضرت عمر وغیرہ نے ان کو روکنا چاہا مگر آپ نے فرمایا، واللہ جو کچھ وہ لوگ رسول اللہ کی خدمت میں ادا کرتے تھے اگر اس میں سے ایک نرغالہ یا پائی بھی روکیں گے تو میں ان سے تا وصولی لڑتا جاؤں گا۔ حضرت عمر نے کہا کہ رسول اللہ نے تو یہ فرمایا ہے کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ کفار سے اس وقت تک لڑوں جب تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ اور کہ میں، محمد رسول اللہ ہوں نہ کہیں اور جب کہہ دیں تو ان کا مال اور خون مجھ پر منع ہو گیا، مگر بوجہ ادائے حق کے کہ جس کا حساب خدا پر ہے اس صورت میں آپ ان پر ہاتھ کس طرح اٹھاتے ہیں۔ آخر وہ اس کلمہ میں تو شریک ہیں، حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا کہ

واللہ میں ان لوگوں سے ضرور لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق سمجھتے ہیں۔ آخر زکوٰۃ بھی تو بیت المال کا حق ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرما بھی دیا ہے کہ ادائے حق کے لیے ان کا مال اور خون مجھ پہ جائز ہے۔ حضرت عمر نے کہا یہ سنکر میں خاموش ہو رہا۔[1]

اس بیان سے اس ارتداد کی قلعی کھل جاتی ہے جس کا عام طور پہ شہرہ ہے ظاہر ہے کہ کچھ لوگ ایسے تھے جو کلمہ بھی پڑھتے تھے نماز بھی پڑھتے تھے مگر حضرت ابوبکر کو زکوٰۃ دینے سے انکار کر رہے تھے۔ جیسا کہ اس جملہ سے ظاہر ہے۔ "میں ان لوگوں سے ضرور لڑوں گا، جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق سمجھتے ہیں۔" ان لوگوں کو اصول زکوٰۃ سے انکار نہیں تھا، البتہ اس نظامِ حکومت کو زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار تھا جو ایک پارٹی نے مدینہ میں قائم کی تھی۔ اگر اصولِ جمہوریت پر اس اعلانِ جنگ کو پرکھا جائے تو وہ پورا نہیں اترتا، اس لیے کہ جمہوریت میں کسی ایسی جماعت پر حکومت کو ٹیکس عائد کرنے کا حق نہیں، جسے حکومت کے انتخاب میں نمائندگی نہ دی گئی ہو۔

ہمیں تو اس امر پر تعجب ہے کہ خلافت اربعہ میں سے پہلی حکومت میں زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے مرتد قرار دیئے گئے اور چوتھی حکومت میں علی الاعلان بغاوت کرنے والوں اور مسلمانوں کا اس بغاوت میں خون بہانے والوں پر خطائے اجتہادی کا پردہ ڈال کر انہیں اللہ کے نزدیک ماجور و مثاب قرار دیا گیا۔ ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

---

[1] تاریخ الخلفاء اردو ترجمہ ص۸۴ مطبع صدیقی لاہور

حنظلہ بن علیؓ نے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے خالد بن ولید کو بھیجتے ہوئے ہدایت فرمائی تھی کہ مرتدین سے پانچ امور کی نسبت جنگ کرنا اگر ان میں سے کوئی ایک سے بھی انکار کرے تو اس سے ایسا ہی جنگ کیا جائے گویا کہ وہ پانچوں سے انکاری ہیں۔ جو کہ شہادۃ لا الٰہ الا اللہ محمد عبدہٗ و رسولہٗ (سے انکار کرے) اور نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا اور روزہ رکھنا ہیں[۱]

غلط مبحث مسلمان مورخوں نے حضرت ابوبکر کی اس مخالفت کے تذکرہ میں مرتدین اور منکرین زکوٰۃ کو اس طرح ملا جلا دیا ہے کہ جس نے حضرت ابوبکر کو زکوٰۃ دینے سے انکار کیا۔ اسی بات پر انہیں مرتد لکھنا شروع کر دیا۔ اس لیے مرتد اور مانع زکوٰۃ میں فرق بیان کرنا نہایت ضروری ہے۔ ہم ان لوگوں کو جو خدا کو ایک مانتے تھے رسول اللہ کو پیغمبر جانتے تھے اور نماز پڑھتے تھے، صرف حضرت ابوبکر کو زکوٰۃ نہ ادا کرنے پر مرتد نہیں کہہ سکتے

مرتد کس کو کہتے ہیں المرتد شرعاً ھو الذی یکفر بعد الایمان شرعی طور پر مرتد وہ شخص ہے جو ایمان قبول کرنے کے بعد کافر ہو جائے[۲] یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ جو مسلمان اسلام سے برگشتہ ہو جائے اسی کو مرتد کہتے ہیں۔ اگر زکوٰۃ نہ دے، خمس نہ دے، روزہ نہ رکھے، حج نہ کرے، اسکو کسی طرح مرتد نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ اگر وہ شراب پیئے، چوری کرے، زنا کرے جب بھی مرتد نہیں کہا جا سکتا۔ اگر اسلام کے

---

[۱] منتخب کنز العمال اردو ترجمہ صفحہ ۴۶ [۲] کلیات ابو البقا جلد ۱ صفحہ ۵۵۱۔

کسی ایک حکم سے انحراف کرنے سے مسلمان مرتد ہو جاتا ہے تو ہر زمانے میں مسلمانوں میں اس قدر لوگ مرتد ہو جاتے ہیں کہ جو شمار میں نہیں آ سکتے۔

فقال النبی ذالک جبرئیل اتانی اخبرنی انہ من مات من امتی لا یشرک باللہ شیئاً دخل الجنۃ قلت یا رسول اللہ وان زنی وان سرق قال وان زنی وان سرق ۔ سرکار رسالت نے فرمایا۔ یہ کہ جبرئیل میرے پاس آئے اور مجھے خبر دی کہ جو میری امت سے مرجائے اور وہ اللہ کے ساتھ کسی معبود کو شریک نہ کرے یعنی وہ مشرک نہ ہو وہ جنت میں جائے گا۔ میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! اگرچہ وہ شخص زنا اور چوری کرے، فرمایا ہاں اگرچہ زنا اور چوری کرے اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ جو شخص مشرک نہیں وہ اپنے اعمال نتیجہ کی سزا بھگت کر بہشت میں داخل ہوگا۔ نتیجہ یہ ہے کہ جو شخص شرک نہ کرے وہ شخص کسی طرح مرتد نہیں کہا جا سکتا۔ حضرت ابوبکر کو جو لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے تھے وہ چیخ چیخ کر خدا کی وحدانیت اور رسول اللہ کی رسالت کا اعلان کرتے تھے، اس لیے وہ مشرک نہیں تھے۔ اور جب انہوں نے شرک نہیں کیا تو وہ مرتد بھی نہیں ہو سکتے۔

کیا زکوٰۃ نہ دینے والوں سے جہاد جائز ہے قرآنِ مجید میں ایک آیت بھی ایسی نہیں مل سکتی جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ زکوٰۃ نہ دینے والوں سے لڑو۔ اور انہیں

لہ صحیح بخاری پ ۲۶ باب من اجاب ص ۳

قتل کرو، سرکارِ رسالت کی کوئی ایسی حدیث بھی نہیں مل سکتی جس میں صاف طور پر وضاحت کی گئی ہو کہ زکوٰۃ نہ دینے والوں کی سزا قتل ہے۔ سرکارِ رسالت کے زمانے میں کچھ لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا، مگر آنحضرت نے نہ جہاد کیا نہ ان پر فوجیں بھیجیں، نہ ان کو قتل کیا اور نہ زندہ جلایا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں یہ واقعہ موجود ہے۔

جناب رسالتمآبؐ نے زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم دیا تو حضرت سے عرض کیا گیا کہ ابن جمیل و خالد بن ولید اور عباس بن عبد المطلب زکوٰۃ نہیں دیتے حضور نے فرمایا، ابن جمیل کیوں انکار کرتا ہے۔ حالانکہ وہ فقیر تھا اللہ نے اسے مالدار کر دیا ہے اور خالد پر تم لوگ زیادتی کرتے ہو، اس نے اپنی زرہوں اور ہتھیاروں کو راہِ خدا میں جہاد کرنے کی غرض سے روک رکھا ہے عباس ابن عبد المطلب تو رسول اللہؐ کے چچا ہیں تو یہ اور اس جیسی اور زکوٰۃ بھی ان کا حق ہے[1]

قرآن اور حدیث کے علاوہ اہل سنّت والجماعت کے اصول میں اجماع کو بھی شرعی دلیل تسلیم کیا گیا ہے مگر حضرت ابوبکر نے منکرین زکوۃ کے معاملہ میں اسے بھی نظر انداز فرما دیا، تمام صحابہ کا اجماع ہو گیا تھا کہ زکوٰۃ نہ دینے والے مسلمان اور اہل قبلہ ہیں، ان سے جہاد جائز نہیں، لوگوں نے بہت سمجھایا حتیٰ کہ سلطنت کے مشیر اعلیٰ حضرت عمر نے بھی اس امر میں مخالفت کی مگر حضرت ابوبکر نے کسی کی نہیں مانی اور یہی کہتے رہے کہ اگر کوئی اور ساتھ نہیں دے گا۔ تو

---

[1] صحیح بخاری پ ۶ ص ۱۴۵ کتاب الزکوٰۃ

لیکن زکوٰۃ سے میں تو نمٹ لوں گا۔

مالک بن نویرہ اور اس کے قبیلہ کا قتل

علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ مالک بن نویرہ عرب یں ایک صاحب عزت و احترام شخص تھے، ان کی عزت اور وجاہت کا یہ عالم تھا کہ ان کے متعلق مشہور ضرب المثل تھی فتی ولا کمالک یعنی جوان ہونے کو بہت سے ہوں گے مگر مالک جیسا کوئی جوان نہیں۔
مالک کو صحابی رسول ہونے کا بھی شرف حاصل تھا۔ محدثین میں علامہ ابن حجر عسقلانی نے اپنی تالیف اصابہ میں جو انہوں نے صحابہ کے سوانح میں لکھی ہے ان کا ذکر کیا ہے۔
سرکار رسالت نے ان کے مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد انہیں قبیلہ بنی یربوع سے زکوٰۃ وصول کرنے پر مامور فرمایا تھا۔ جب سرکار رسالت کا انتقال ہو گیا اور مالک بن نویرہ کو اس کی خبر پہنچی تو انہوں نے اپنی قوم سے زکوٰۃ کی وصولی ملتوی کر دی اور کہا کہ تم لوگ زکوٰۃ کے مال کو ابھی اپنے پاس ہی محفوظ رکھو۔ یہ معلوم کر کے کہ پیغمبر کے بعد کون آپ کا قائم مقام ہوا اور کیا انتظام حکومت طے پایا۔ پھر یہ چیزیں تم سے لی جائیں گی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اشعار میں اس کی صراحت بھی کی ہے۔ ہم ان اشعار کا اردو ترجمہ نقل کرتے ہیں:۔

۱۔ بعض لوگوں نے کہا خدا مالک کو استقامت بخشے اور بعض کہتے ہیں تمہیں کیا ہوا ہے، تم کیوں امید سے نہیں ہونے۔

۲- میں نے ان سے کہا کہ تم اپنی مرضی کے مطابق کرنے دو میری رائے کبھی غلط نہیں ہوئی۔

۳- میں نے ان سے کہا تم اپنے اموال کو واپس لے لو بغیر کسی خوف کے اور آئندہ کے کسی اندیشہ کے۔

۴- میں اپنے کو تمہارا سپر بنا دوں گا۔ اور اپنا ہاتھ تمہارے حوالے کر دوں گا۔

۵- فان قام بالامر المخوف قائم
اطعنا وقلنا الدین دین محمد

اگر پیغمبر کا کوئی جانشین ہوا اور اس نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تو ہم اس کی اطاعت کریں گے اور کہیں گے کہ دین بس محمدؐ کا دین ہے
ان اشعار میں کوئی شعر اور کسی شعر میں کوئی لفظ ایسا نہیں کہ جس سے مالک بن نویرہ کا ارتداد یا ان کی بغاوت ظاہر ہوتی ہو، وہ سرکار رسالتؐ کی زندگی تک زکوٰۃ وصول کر کے رسول اللہ کی خدمت میں پہنچاتے رہے۔ بعد وفات پیغمبر اس انتظار میں تھے کہ آپ کا جانشین آپ کی جگہ بیٹھ جائے تو اس کی اطاعت کر کے اس کے پاس زکوٰۃ کا مال روانہ کر دیں۔ پس جبکہ قبیلۂ بنی یربوع نے زکوٰۃ کے داخل کرنے سے انکار کر دیا تو حضرت ابوبکر نے خالد بن ولید کو زکوٰۃ کے لیے مالک بن نویرہ کے پاس بھیجا[1]۔ جب خالد بن ولید وہاں پہنچے تو مالک بن نویرہ ان کے پاس حاضر ہوا۔ اتفاق سے

---

[1] تاریخ ابن الوردی، تاریخ احمدیہ صہ ۱۲۲۔

اس کی بیوی بھی ساتھ تھی، خالد بن ولید اس کے حسن و جمال پر شیدا ہو گئے[1]
جب خالد بن ولید زن مالک بن نویرہ پر فریفتہ ہوئے تو انہوں نے
ضرار بن اذور کو حکم دیا کہ مالک کی گردن اڑا دے، مالک نے اپنی صاحب جمال
زوجہ کی طرف نگاہ کر کے کہا کہ اسی عورت نے مجھے قتل کرایا۔ خالد نے
کہا، نہیں، بلکہ تیرا اسلام سے پھر جانا تیرے قتل کا باعث ہوا۔ مالک بولا
کہ میں تو مسلمان ہوں (مگر کون سنتا ہے صدائے مالک) خالد کے حکم دیتے
ہی ضرار نے مالک کا سر اڑا دیا[2]

ابو قتادہ جو خالد کے ساتھ گئے تھے انہوں نے واپس آکر حضرت
ابوبکر کو اس واقعہ سے خبر دی اور قسم کھائی کہ میں خالد کے زیر علم نہیں رہوں
گا۔ کیونکہ اس نے مالک کو قتل کر ڈالا جو کہ مسلمان تھا[3]

جب حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو اس افسوسناک واقعہ کی اطلاع ہوئی
تو حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ خالد نے بے شک زنا کیا۔ اس
کے رجم کا حکم دو۔ حضرت ابوبکر بولے کہ میں خالد کے رجم کا حکم نہ دوں گا
کیونکہ اس نے تاویل میں خطا کی ہے[4]

جب حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو قتل مالک کی اطلاع ہوئی تو حضرت
عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ بے شک خالد زنا کا مرتکب ہوا۔ اس پر

---

[1] تاریخ ابن واضح، تاریخ احمدی ص۱۲۳، تاریخ ابو الفداء [2] تاریخ روضۃ المناظر ابن شحنہ، تاریخ احمدی ص۱۲۳، [3] تاریخ ابن الواضح، تاریخ احمدی ص۱۲۳، تاریخ یعقوبی ج ۲ ص۱۲۸، سیر الانصار حصہ اول ص۲۲۵۔ [4] تاریخ ابو الفداء، تاریخ احمدی ص۱۲۳ و ص۱۲۴

حد جاری کرو۔ حضرت ابوبکر نے کہا (ایسا نہیں ہوسکتا کیونکہ) خالد نے تاویل میں غلطی کی۔ حضرت عمر بولے تو پھر اچھا اس کو قتل کرو کہ اس نے ایک مسلمان کو قتل کیا۔ حضرت ابوبکر نے کہا (یہ بھی نہیں ہوسکتا، کیونکہ خالد نے تاویل میں خطا کی[1]

جب خالد واپس آئے اور مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت عمر نے خالد سے کہا کہ تو نے ایک مسلمان کو قتل کیا اور پھر اس کی عورت پر قبضہ کیا۔ واللہ میں تجھ کو سنگسار کروں گا۔ خالد نے یہ سنکر کچھ جواب نہ دیا، کیونکہ خالد کو گمان ہوا کہ جو کچھ حضرت عمر نے کہا وہ حضرت ابوبکر کی رائے کے موافق ہے۔ بعد ازاں خالد نے حضرت ابوبکر کے پاس حاضر ہوکر حقیقت حال سے خبر دی اور اپنی خطا کا عذر پیش کیا، حضرت ابوبکر نے ان کا عذر قبول کر کے ان کی خطا کو معاف فرمایا۔ پس خالد حضرت ابوبکر کی رضامندی حاصل کر کے باہر نکلے تو حضرت عمر کو مسجد میں دیکھ کر بولے کہ ادھر آ اے ام شملہ کے بیٹے یہ سن کر حضرت عمر سمجھ گئے کہ حضرت ابوبکر نے خالد کا قصور معاف کر دیا اور چپ چاپ اپنے گھر کے اندر چلے گئے[2]

مالک بن نویرہ کا قبیلہ سوائے انکارِ زکوٰۃ کے ہر حیثیت سے مسلمان تھا ان کے اسلام کی گواہی ابوقتادہ نے ان الفاظ میں دی " وکان فی من شھد انھم قد اذنوا واقاموا وقد صلوا " ان لوگوں نے

---

[1] روضۃ المناظر ابن شحنہ تاریخ احمدی صہ ۱۲۴

[2] تاریخ ابن جریر طبری، تاریخ احمدی صہ ۱۲۴ و صہ ۱۲۵

اذان و اقامہ کہی اور نماز پڑھی، پھر بھی ان مانعین زکوٰۃ کے ساتھ بُرے سلوک کیے گئے، جاڑے کی ٹھنڈی راتوں میں یہ لوگ بغیر کسی چھت کے قید کی حالت میں سردی کھاتے رہے، پھر قتل کردیے گئے[1]

قبیلہ مالک بن نویرہ نے خود اقرار اسلام کیا اور ان کے اسلام کو لوگوں نے عملاً دیکھ بھی لیا۔ اس کے متعلق طبری کی یہ عبارت قابل غور ہے۔ خالد کے لشکر والے کہتے ہیں فقلنا انا المسلمون فقالوا ونحن المسلمون قلنا فما بال السلاح معکم قالوا لنا فما بال السلاح معکم قلنا ان کنتم کما تقولون فضعوا السلاح قال فوضعوها ثم صلینا وصلوا۔ ہم لوگوں نے کہا کہ ہم مسلمان ہیں مالک اور اس کے ساتھیوں نے بھی کہا کہ ہم مسلمان ہیں۔ ہم نے کہا تو پھر یہ کیا بات ہے کہ تمہارے ساتھ اسلحہ ہیں۔ انہوں نے بھی ہم سے یہی سوال کیا ہم نے کہا کہ اچھا اگر یہ بات ہے تو ہم سب اسلحہ کو اتار کر رکھ دیں چنانچہ انہوں نے اسلحہ اتار کر رکھ دیے اور ہم سب نے مل کر نمازیں پڑھیں[2]

مالک بن نویرہ کے قبیلے کے ساتھ خالد بن ولید نے کیا سلوک کیا مالک اور اس کے ساتھیوں کو قتل کرنے کے بعد ان کے سروں کو اینٹوں اور پتھروں کی بجائے دیگوں کے نیچے لگا کے آگ روشن کی گئی۔ سب کی جلدیں آگ کی حرارت سے جل گئیں، مگر مالک کے بال اتنے زیادہ

---

[1] طبری واقعات ردہ۔
[2] تاریخ طبری ص ۲۴۳، واقعات ردہ

تھے کہ ان کی جلد بالوں کی وجہ سے محفوظ رہی[1]

متمم بن نویرہ نے اپنے بھائی مالک بن نویرہ کا مرثیہ کہا جو عرب کی صنف مرثیہ گوئی میں خاص درجہ رکھتا ہے۔ ایسا مرثیہ ہے کہ مضبوط دل والے بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ اور یہ مرثیہ انہوں نے حضرت ابوبکر کی موجودگی میں پڑھا۔

مالک بن نویرہ بنی حنیفہ کی شاخ بنی یربوع سے تھے۔ الغرض خالد قبیلہ مالک بن نویرہ کے مردوں کو تہ تیغ کرنے کے بعد انکی عورتوں کو لونڈیاں بنا کر مدینہ میں لائے۔ جناب خولہ مادر محمد بن حنیفہ ان قیدیوں میں تھیں۔ حضرت علی علیہ السلام نے انہیں کنیز نہیں سمجھا اور آزاد عورت سمجھ کر ان سے عقد کیا جس سے حضرت محمد بن حنفیہ کی ولادت ہوئی[2]

حضرموت کی تسخیر

حضرموت اور کندہ پر سرکار رسالت کی طرف سے زیاد بن لبید عامل تھے، ان کی وفات کے بعد اشعث بن قیس نے علم بغاوت بلند کیا۔ بہت سے لوگ اس کے ساتھ مل گئے۔ زیاد بن لبید ان سے لڑے مگر شکست کھا کر مدینہ چلے آئے، عکرمہ نے اشعث کو شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ اور وہ قیدی کی حیثیت سے مدینہ لایا گیا۔ جہاں حضرت ابوبکر نے اپنی بہن ام فروہ کا اس سے عقد کر دیا اور ان کے ہاں اولاد ہوئی۔ ایک بیٹی جس کا نام جعدہ بنت اشعث تھا جس نے رسول اللہ کے نواسے

---

[1] طبری صد ۲۲۴ [2] بحار الانوار جلد ۹ صد ۵۸۳

حضرت امام حسنؑ کو زہر دیا۔ اور ایک بیٹا محمد بن اشعث جو امام حسین علیہ السلام اور حضرت مسلم کے قتل میں شریک تھا۔

بحرین کی مہم

بحرین میں بنی بکر اور بنی عبد القیس کے قبائل آباد تھے۔ منذر بن ساوی ان پر حکمران تھا۔ جو زمانہ وفات سرکارِ رسالت میں مر گیا۔ اس کے بعد اہلِ بحرین نے مخالفت شروع کر دی۔ وہاں کے حاکم علاء بن حضرمی مدینہ چلے آئے اور یہاں سے فوج لے کر حملہ آور ہوئے۔ علاء بن حضرمی نے ان کے خلاف کئی لڑائیاں لڑیں آخر انہیں شکست دی۔ الغرض مانعین زکوٰۃ اور دوسرے مخالفت کرنے والے قبیلوں کو فوجی طاقت سے دبا دیا گیا۔

مدعیانِ نبوت اور ان کے پیرو

سرکارِ رسالت کے آخری ایام میں کئی ایک جھوٹے مدعیانِ نبوت پیدا ہو چکے تھے مگر وہ سب دبے ہوئے تھے۔ جب انہوں نے حضرت ابو بکر کی حکومت کی عام مخالفت دیکھی تو ان کے حوصلے بڑھ گئے اور وہ اپنی کامیابی کے لیے جدوجہد کرنے لگے اور لوگوں کو اپنے جال میں پھنسانے کے لیے میدان میں آ گئے۔ ان جھوٹے مدعیانِ نبوت کا حال ہم یہاں اختصار سے بیان کرتے ہیں:۔

مسیلمہ کذّاب

مسیلمہ قبیلہ بنی حنیفہ سے تھا۔ یہ قبیلہ مسلمان ہو گیا تھا، اور ان کا ایک وفد سنہ ۱۰ھ میں دربارِ رسالت میں حاضر ہوا تھا، اس میں مسیلمہ بھی تھا۔ اس نے مدینہ سے لوٹ کر دعویٰ نبوت کر دیا اور اس نے چند فقرے گھڑ لیے۔ اور انہیں کلام الٰہی کہنے لگا۔ کچھ لوگ اس کے پیرو ہو گئے

حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ سلطنت میں اس نے ایک لشکر مرتب کر لیا۔ اور حکومت کی مخالفت شروع کر دی۔

سجاح اسی اثناء میں ایک عورت سجاح نے عراق میں دعوئے نبوت کیا۔ پھر ان دونوں جھوٹے مدعیانِ نبوت میں مناظرہ ہوا۔ اس مناظرہ کے بعد سجاح نے مسیلمہ سے شادی کر لی۔ اس طرح ان دونوں کو نبی ماننے والے متحد ہو گئے۔ اس طرح مسیلمہ کی طاقت بہت بڑھ گئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے جیش اسامہ کی سرحد شام سے واپسی کے بعد مسیلمہ کے خلاف یکے بعد دیگرے دو لشکر روانہ کیے۔ ایک کا سردار عکرمہ بن ابی جہل تھا۔ اور دوسرے کا شرجیل حضرت ابوبکرؓ کا حکم یہ تھا کہ دونوں لشکر جب متحد ہو جائیں تو مسیلمہ پر حملہ کیا جائے لیکن عکرمہ نے اس لیے کہ فتح میرے نام پر ہو شرجیل کے پہنچنے سے پہلے حملہ کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ یہ سن کر بہت ناراض ہوئے اور عکرمہ کو میدانِ جنگ سے واپس بلا لیا۔ اور خالد بن ولید کو مسیلمہ کے خلاف روانہ کیا

جنگِ یمامہ اس جنگ میں مسیلمہ نے چالیس ہزار فوج کے ساتھ مسلمانوں سے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ مگر مسلمان نہایت بہادری سے لڑے اور آخر مسیلمہ کی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور انہوں نے بھاگ کر ایک باغ میں پناہ لی۔ جس کے ارد گرد ایک پختہ فصیل تھی۔ مسلمانوں نے اس باغ کا محاصرہ کر لیا۔ براء ابن مالک نہایت جرأت سے فصیل باغ پر چڑھ گئے اور باغ میں کود کر فصیل کا دروازہ کھول دیا۔ مسلمان باغ میں گھس گئے جہاں گھمسان کا رن پڑا دونوں طرف سے بے شمار آدمی مارے گئے مسیلمہ کذاب کی نعش

کشتوں کے پشتے میں تھی۔ آخرکار دشمن نے ہتھیار ڈال دیے اور مسلمانوں کو
فتح ہوئی۔ سجاح شوہر کی موت کے بعد بھاگنے میں کامیاب ہوئی اور آخر
معاویہ کے عہدِ سلطنت میں اس نے پھر اسلام قبول کر لیا۔

طلیحہ اسدی
نجد میں طلیحہ اسدی نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ یہ بنی اسد کا
سردار تھا ایک دفعہ اس کا قبیلہ صحرا سے گزر رہا تھا۔ پانی ختم
ہو گیا۔ لوگوں نے پانی تلاش کیا۔ جب کہیں سے نہ ملا تو اس نے ایک مقام
کا نشان بتلایا۔ اتفاقاً وہاں سے پانی مل گیا۔ اس نے اسے اپنا معجزہ قرار
دیا اور دعویٰ نبوت کر دیا۔ اور رسول اللہ کی وفات کے بعد نجد کے ایک
حصہ پر قبضہ کر لیا۔ خالد بن ولید نے اس کے علاقہ پر حملہ کر کے اسے شکست
دی۔ طلیحہ بھاگ گیا۔ اس کے تیس آدمی گرفتار کر کے مدینہ روانہ کر دیے گئے
اس کے پیرو دوبارہ مسلمان ہو گئے اور یہ بھی مسلمان ہو گیا۔

لقیط بن مالک
عمان کا حاکم رسول اللہ کی زندگی میں مسلمان ہو چکا تھا،
اور اس نے سرکارِ رسالت کی حکومت کی اطاعت
قبول کر لی تھی۔ لقیط بن مالک نے دعویٰ نبوت کیا۔ رسول اللہ کی وفات
کے بعد عمان اور مہرہ کے قبائل اسلام سے منحرف ہو کر لقیط کے پیرو ہو
گئے۔ ان کے مرتد ہونے کے بعد حاکم عمان پہاڑوں میں بھاگ گیا۔ عمان
کی فتح کے لیے حذیفہ بھیجے گئے اور ان کی امداد کے لیے عکرمہ بن
ابی جہل مقرر ہوا۔

جنگ دبا
ان باغیوں اور مسلمانوں کے درمیان "دبا" میں جنگ ہوئی

دشمن نے ایسا سخت مقابلہ کیا کہ مسلمانوں کے لیے میدانِ جنگ میں ٹھہرنا مشکل ہو گیا۔ مگر وقت پر عمان سے کمک آ پہنچی، دشمن کو شکست ہوئی حذیفہ حاکم کی حیثیت سے عمان میں ٹھہر گئے۔ عکرمہ نے مہرہ کی بغاوت کو فرو کر دیا۔

اسود عنسی اسود عنسی نے سرکارِ رسالت کی زندگی میں حضور کی وفات سے چار ماہ قبل دعوئے نبوت کیا۔ یہ شخص قحطانی قبیلہ کی عنسی شاخ کا سردار تھا۔ اس کی چالاکی اور ہتھکنڈوں سے لوگ اس کے پیرو ہو گئے جب اس کی طاقت بڑھی تو اس نے نجران پر قبضہ کر لیا۔ پھر یہ یمن کے صدر مقام صنعاء کی طرف بڑھا، صنعاء کے گورنر شہر بن باذان نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ مگر انہیں شکست ہوئی اور وہ میدانِ جنگ میں شہید ہوئے۔ اس جنگ کے بعد تمام اہلِ یمن نے اسود عنسی کی اطاعت قبول کر لی۔ اس نے شہر بن باذان کی بیوہ سے شادی کر لی۔ سرکارِ رسالت کو جب یہ خبر پہنچی تو حضور نے معاذ بن جبل اور حوالی یمن کے عاملوں کو لکھا کہ وہ اس فتنہ کا انسداد کریں۔ اسی اثنا میں اسود کے کمانڈر قیس نے ایک بدگمانی پر اس کی مخالفت شروع کر دی اور اس کے خلاف جو سکیم بنائی گئی۔ اس میں شہر بن باذان کی بیوہ بھی شریک تھی جس سے اسود نے شادی کر لی تھی۔ اس کے ایک قریبی رشتہ دار فیروز دیلمی نے ایک رات اس کے محل میں داخل ہو کر اسے قتل کر دیا۔ چند وفاداران رسالت نے یہ واقعہ سرکارِ رسالت کو لکھ بھیجا۔ لیکن

ہدا اس صبح مدینہ پہنچا جس شام سرکارِ ختمی مرتبت نے رحلت فرمائی۔

جب حضور کی وفات حسرت آیات کی خبر یمن پہنچی تو اسود عنسی کے پیروؤں
نے پھر فتنہ و فساد شروع کر دیا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر نے مہاجرین امیہ کی نگرانی میں
یک لشکر ان کے خلاف بھیج دیا۔ اس لشکر نے ان باغیوں کو شکست دی اور
س گروہ کے سر کردہ افراد عمرو بن معدی کرب وغیرہ کو گرفتار کر لیا۔

ان مدعیانِ نبوت کی تعلیمات اور ان عبارات پر جنہیں انہوں نے الہام کہہ
ریش کیا، جب ہماری نظر پڑتی ہے تو ہم ببانگ دہل کہہ سکتے ہیں کہ اسلام جیسے
لیمانہ و پاکیزہ مذہب کے مقابلے میں کسی طرح بھی پنپ نہیں سکتے تھے اگر
یں اس زمانہ کی سلطنت میں اختلال دیکھ کر فتنہ و فساد برپا کرنے کی جرأت
وئی۔ اگر حضرت ابوبکر اس فتنہ کو بزورِ شمشیر فرو نہ بھی کرتے تو بھی یہ سلسلہ دیر
ک قائم نہیں رہ سکتا تھا۔

سوالات

۱۔ بیرونِ مدینہ بیعتِ حضرت ابوبکر کی جو مخالفت ہوئی اسے
بیان کرو اور اس کے شواہد پیش کرو۔

۲۔ رسول اللہ کی رحلت کے بعد ارتداد کیا؟ اگر اسے
ارتداد تسلیم کر لیا جائے تو اس سے کیا اہم سوالات

پیدا ہوں گے اور اس کا نتیجہ کیا ہے؟

۳۔ آخر یہ ارتداد کیا تھا؟ ثابت کیجئے کہ یہ دراصل ارتداد نہیں تھا بلکہ اربابِ سلطنت نے اسے ارتداد کا رنگ دیا تھا۔

۴۔ حضرت ابوبکر نے کیا فرمان جاری کیا۔ اس سے آپ کس نتیجہ پر پہنچتے ہیں؟

۵۔ جیش اسامہ کے متعلق جو کچھ آپ کو معلوم ہو بیان کرو۔

۶۔ مدینہ کیوں خطرہ میں تھا اس خطرہ کو حضرت ابوبکر نے کس طرح دور کیا؟

۷۔ منکرین زکوٰۃ کے متعلق حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی گفتگو بیان کرو۔ کیا منکرین زکوٰۃ مرتد تھے؟

۸۔ منکرین زکوٰۃ کا ارتداد کیوں حیرت انگیز ہے؟ حضرت ابوبکر نے خالد کی روانگی کے وقت اسے کیا ہدایت فرمائی تھی

۹۔ مرتد اور مانع زکوٰۃ میں کیا فرق ہے؟ کیا ہم مانع زکوٰۃ کو شریعت کی رو سے مرتد کہہ سکتے ہیں؟

۱۰۔ کیا زکوٰۃ نہ دینے والوں سے جہاد جائز ہے؟

۱۱۔ کیا مالک بن نویرہ صحابی تھے؟ ان کی شخصیت اور اوصاف کے متعلق تم کیا جانتے ہو؟

۱۲۔ مالک بن نویرہ کے اشعار سے ثابت کرو کہ نہ وہ مرتد تھے اور نہ وہ باغی تھے، ان کا حضرت ابوبکر سے اختلاف اصولی تھا۔

۱۳۔ مالک بن نویرہ کے واقعۂ قتل کو بیان کرو۔

۱۴۔ مالک بن نویرہ کے قتل پر حضرت ابوقتادہ اور حضرت عمر کے تاثرات بیان کرو اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی اس سلسلہ میں گفتگو لکھو۔

۱۵۔ ثابت کرو کہ مالک بن نویرہ اور ان کا قبیلہ مسلمان تھے۔

۱۶۔ خالد بن ولید نے مالک اور ان کے قبیلہ سے کیا سلوک کیا؟

۱۷۔ خولہ والدۂ محمد بن حنفیہ جناب امیر علیہ السلام کے عقد میں کس طرح آئیں؟

۱۸۔ حضرموت اور کندہ میں محمد ابن اشعث کی بغاوت اور اس کا انجام بیان کرو۔

۱۹۔ بحرین کی مہم اور اس کا انجام بیان کرو۔

۲۰۔ مدعیانِ نبوت کو میدان میں آنے کی کس طرح جرأت ہوئی؟

۲۱۔ مسیلمہ کذاب اور سجاح کا حال بیان کرکے

جنگِ یمامہ کے واقعات اور اس کے نتیجہ کو بیان کرو۔

۲۲۔ طلیحہ اسدی اور لقیط کے حالات لکھ کر بتلاؤ کہ جنگ دبا میں دشمن کو شکست کس طرح ہوئی؟

۲۳۔ اسود عنسی کے واقعات اور اس کی شکست کو بیان کرو۔

۲۴۔ مدعیان نبوت کے الہامات اور تعلیمات سے آپ کیا نتیجہ نکالتے ہیں؟

گیارہواں باب

خاندانِ رسالت

اور

دورِ سلطنت حضرت ابی بکر

اکابر صحابہ حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب کی بیعت پر اصرار کر رہے تھے

سرکارِ رسالت کی آنکھ بند ہوتے ہی چشم زدن میں حضرت ابوبکر خلیفہ بن جائیں، یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ مدینہ اسلامی سلطنت کا صدر مقام تھا، سرکارِ رسالت نے گیارہ برس تک اس سرزمین میں جو مہاجرین و انصار تھے وہ علی علیہ السلام کے سلطنت کے متعلق امتیازی حقوق سے بے خبر نہ تھے۔ مگر سرکارِ رسالت کے انتقال کے بعد چند ساعتوں میں ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ خلافت

جیسا مسئلہ اس طرح طے ہو گیا کہ جو لوگوں کی انتہائی حیرت کا باعث تھا۔ حضرت عمر اور ان کی پارٹی نے اس کام کو اتنی عجلت میں انجام دیا کہ کسی کے تصور میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ سقیفہ میں ناگہانی بیعت کے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر جب وہاں سے باہر نکلے اور دوسرے مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کر بیعت لینے لگے تو سوائے حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ اور ان کی پارٹی کے چند اصحاب کے کوئی شخص ہمیں اسلامی تاریخ میں ایسا معلوم نہیں ہوتا جس نے خوشی سے حضرت ابوبکر کی خلافت کو تسلیم کیا ہو۔ اور سچے دل سے ان کی بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا ہو۔ اکابر صحابہ حضرت علیؑ کی بیعت پر اصرار کر رہے تھے۔

انصار کا اعلان

جب خلافت کے لیے زور آزمائی ہو رہی تھی تو انصار کے اکثر افراد نے صاف لفظوں میں اعلان کیا کہ ہم علیؑ کے سوا کسی کی خلافت تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں۔

وبایعہ الناس فقالت الانصار او بعض الانصار لا نبایع الا علیاً

لوگوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت کی مگر تمام انصار اور ان میں سے بعض نے کہا کہ ہم تو سوائے علیؑ کے اور کسی کی بیعت نہیں کریں گے۔[۱]

---

[۱] تاریخ کامل ج ۲ ص ۱۲۳، تاریخ طبری جلد ۳ ص ۱۹۸۔

اکابر قریش اور معزز مہاجرین کے جذبات

اکثر مورخین حزب اقتدار میں ۔ ان سے یہ امید تو نہیں ہو سکتی کہ وہ اس مخالفت کی صحیح تصویر کشی کریں جو بیعت ابوبکر پر ہوئی ۔ یا ان آوازوں کو قلم بند کریں جو خلافت علی ابن ابی طالب کی حمایت میں بلند ہوئیں ۔ البتہ کچھ اشارے ان تاریخوں میں ایسے مل جاتے ہیں ۔ جن سے اس زمانے کے حساس مسلمانوں کے جذبات کا پتہ چل سکے ۔

۱۔ ابن عساکر نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ جب حضرت ابوبکر کی بیعت ہو گئی تو انہوں نے محسوس کیا کہ لوگ مخالفت اور ناپسندیدگی کا اظہار کر رہے ہیں ۔ تب انہوں نے کہا کہ کس سبب سے تم لوگ مجھے خلیفہ نہیں مانتے ، کیا میں سب سے پہلے مسلمان نہیں ہوا ، کیا میں ایسا نہیں ہوں ، کیا میں ایسا نہیں ہوں ، اسی طرح اپنے منہ سے اپنی بہت سی خوبیاں بیان کیں ۔[1]

۲۔ حضرت علیؑ و خاندان بنی ہاشم اور زبیر اور طلحہ نے حضرت ابوبکر کی بیعت سے انکار کیا ۔ اور زبیر نے تو یہاں تک کہا کہ جب تک حضرت علیؑ کی بیعت نہیں کی جائے گی میں اپنی تلوار نیام میں نہیں کروں گا ۔ اس پر حضرت عمر نے لوگوں سے کہا کہ زبیر کی تلوار چھین کر پتھر پر ٹپک دو اور پھر حضرت عمر ان لوگوں کے پاس

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۸۲

گئے اور ان کو بیعت کے لیے گرفتار کر لیا[1]

یہ زبیر کون ہیں حضرت ابوبکر کے داماد ان کی بیٹی اسماء کے شوہر، حالانکہ حضرت ابوبکر کی خلافت سے انہیں بہت سے مفاد کی امید ہو سکتی تھی مگر حضرت علی کی حمایت میں شمشیر بکف ہو جانا ان کے جذبات باطنی کا ترجمان ہے جب اتنے قریبیوں کے یہ جذبات تھے تو اس پر دوسروں کے جذبات کا اندازہ باسانی ہو سکتا ہے۔

۳۔ بنی ہاشم کی ایک جماعت نیز زبیر، مقداد، سلمان فارسی، ابوذر عمار بن یاسر اور براء ابن عازب وغیرہم نے حضرت ابوبکر کی بیعت سے انکار کیا۔ اور حضرت علی ابن ابی طالب کی بیعت کے خواہاں ہوئے اور اس پر عتبہ بن ابی لہب نے کچھ اشعار بھی کہے۔ جن کا ترجمہ یہ ہے:

"یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ رسول اللہ کی خلافت خاندان بنی ہاشم خصوصاً حضرت ابوالحسن (علی بن ابی طالب) سے نکال لی جائے گی جو سب سے پہلے ایمان لائے اور اس فضل میں سب سے زیادہ سبقت حاصل کی جو قرآن مجید اور احادیث رسول کے سب سے زیادہ عالم ہیں۔ جو خدمت رسول اللہ میں سب سے آخر تک رہے اور جن کی مدد تجہیز و تکفین سرکار

---

[1] تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۱۲۴

رسالت میں جبریل نے کی وہ علی کہ دوسروں میں جس قدر فضائل ہیں، وہ سب حضرت میں بھی ہیں۔ لیکن ان حضرت میں جو شرف و بزرگی و افضلیت ہے وہ تمام مسلمانوں میں سے کسی میں بھی نہیں ہے[1]

۴۔ ابوسفیان نے بھی جو خاندان بنی امیہ سے تھا حضرت ابوبکر کی خلافت سے انکار کر دیا۔

۵۔ خالد بن سعید بن عاص اموی نے جو مشاہیر بنی امیہ سے تھے انہوں نے بھی اکابر صحابہ کی طرح خلافت حضرت ابی بکر پر صدائے احتجاج بلند کی[2] تین مہینے تک انہوں نے بیعت نہیں کی۔ انہیں بحسن حیل ہموار کرنے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ علامہ ابن سعد نے لکھا ہے۔ کہ جب حضرت ابوبکر نے شام کی طرف لشکر روانہ کیا تو انہی خالد بن سعید کو سردار مقرر کیا۔ اور علم لشکر لے کر ان کے گھر پر آئے اس پر حضرت عمر نے کہا کہ تم خالد کو افسری دیتے ہو۔ اور ان کے جو خیالات ہیں وہ تمہیں اچھی طرح معلوم ہیں۔ حضرت عمر اپنی اس بات پر اس طرح ڈٹے کہ آخر ابوبکر نے آدمی بھیج کر علم واپس منگا لیا۔ خالد نے واپس کر دیا۔ اور کہا کہ تمہارے افسر بنانے سے نہ تو پہلے مجھے خوشی ہوئی تھی نہ اب معزول کرنے سے مجھے رنج ہوا حضرت ابوبکر نے ان کے گھر پر آکر بہت عذر و معذرت

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۴ ص ۷ [2] تاریخ ابوالفداء ج ۱ ص ۱۰۶

کی اور کہا کہ عمر کو میرا آنا اور معذرت کرنا معلوم نہ ہونے پائے جس جس مؤرخ نے شام کی طرف لشکر کی روانگی کا ذکر کیا ہے۔ اس واقعہ کی طرف بھی ضرور اشارہ کیا ہے۔

۶۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب نے بھی جب بیعت حضرت ابی بکر کی مخالفت کی تو مغیرہ بن شعبہ نے کہا کہ اگر مجھ سے پوچھتے ہو تو اس وقت صحیح رائے یہ ہے کہ تم لوگ اس موقعہ پر عباس سے ملو اور امر خلافت میں انکا اور ان کے لڑکوں کا حصہ مقرر کر دو اس سے یہ ہوگا۔ کہ علی ابن ابی طالب کا یہ پہلو بھی کمزور ہو جائے گا۔ یہ رائے دونو حضرات یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے پسند فرمائی اور یہ برسراقتدار پارٹی وفات رسول اللہ کے بعد دوسری رات کو حضرت عباس کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ حضرت ابوبکر نے حسب معمول بعد حمد وثنائے الٰہی احسانات سرکار رسالت کا تذکرہ کیا۔ اور کہا کہ ان کے بعد مسلمانوں نے میری بیعت کر لی ہے۔ اور لوگ آپ کی آڑ لے کر فتنہ وفساد برپا کرنا چاہتے ہیں۔ اور تمہارے ذریعہ سے اپنا کام نکالنا چاہتے ہیں مجھے خیال پیدا ہوا کہ تم مسلمانوں کے خلاف ان لوگوں کے لیے ایک قلعہ مستحکم نہ بن جاؤ اور انکا ملجا و ماوی نہ ہو جاؤ۔ ہم چاہتے ہیں کہ یا تو تم بیعت کر لو جیسا کہ اور لوگوں نے کی ہے یا ان لوگوں کو ان کے ارادہ سے پلٹا دو کہ وہ ہماری مخالفت نہ کریں۔ ہم

تو اس لیے بھی حاضر ہوئے ہیں کہ آپ کا اور آپ کی اولاد کا حصہ خلافت میں قرار دیں۔ کیونکہ آپ رسول اللہؐ کے چچا ہیں۔ اگرچہ آپ کی رسول اللہؐ سے قرابت لوگوں کو معلوم تھی، پھر بھی انہوں نے خلافت آپ کو نہ دی۔ اب تو جو کچھ ہونا تھا ہو گیا، اب آپ اے بنی ہاشم! اپنی جگہ پہ ٹھہریں کیونکہ رسول اللہؐ ہم سے اور تم سے تھے۔

حضرت عمرؓ نے یہ اندازِ بیان جو حضرت ابوبکرؓ نے اختیار کیا خلافِ مصلحت سمجھا اور اس تقریر کا جاری رہنا گوارا نہ کیا۔ برافروختہ ہو کر گویا ہوئے۔

"ہاں خدا کی قسم بات یہ ہے کہ ہم کوئی حاجت یا ضرورت لے کر آپ کے پاس نہیں آئے۔ بس صرف اس خیال سے آپ کے پاس آئے ہیں کہ جو بات مسلمانوں نے طے کر لی ہے اس پر اعتراض نہ کرو۔ جس کی وجہ سے فتنہ و فساد بپا ہو۔ اس مطلب کو خوب اچھی طرح سے سوچ سمجھ لو۔"

یہ سن کر حضرت عباسؓ نے فرمایا:-

"اے ابوبکر! جو کچھ آپ نے کہا ٹھیک کہا۔ سرکارِ رسالت ایسے ہی تھے جیسا کہ تم نے بیان کیا۔ لیکن اگر تم نے رسول اللہؐ سے قریبی تعلق دیکھنے کی وجہ سے یہ خلافت حاصل کی ہے تو یہ دراصل ہمارا حق ہے جو تم نے لے لیا ہے۔ ہم تمہاری نسبت

رسالتمآب سے زیادہ قریب ہیں، اگر تم نے مومنین کی وجہ سے یہ خلافت حاصل کی ہے کہ مومنین نے تم کو خلیفہ بنانا پسند کیا تو مومنین میں سب سے زیادہ ہم مقدم ہیں۔ ہماری رضا کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ اور ہمیں یہ بات زیادہ ناگوار ہے اور جب ہم مومنین نے تمہیں اجازت نہیں دی۔ تو تم آخر خلیفہ کیونکر ہو گئے۔ رہ گئی یہ بات کہ تم میرا اور میری اولاد کا حصہ خلافت میں مقرر کرنا چاہتے ہو۔ یہ بھی ایک تعجب خیز امر ہے۔ اس لیے کہ یہ حصہ جو تم دے رہے ہو اپنے حق میں سے دے رہے ہو تو ہم اسے لینے پر تیار نہیں اسے اپنے پاس ہی رکھو اور اگر مومنین کے حق میں سے یہ عطا ہو رہی ہے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ مومنین کے ہوتے ہوئے تم اسے دینے والے کون ہوتے ہو۔ اور اگر یہ حق تمہارا ہے نہ مومنین کا بلکہ مخصوص ہمارا (بنی ہاشم کا) ہے تو ہم اس پر کبھی راضی نہیں ہوں گے کہ ہمارے حق کو اس طرح تقسیم کیا جائے۔ کہ کچھ تم لو اور کچھ ہم لیں۔ ہم اپنا حق پورا کیوں نہ لیں رہ گیا تمہارا یہ کہنا کہ رسول اللہ ہم سے اور تم سے دونوں سے تھے تو یہ بھی عجیب چیز ہے۔ ارے بھائی رسول اللہ اس درخت سے تھے جس کی شاخیں ہم ہیں۔ اور تم اس کے ہمسایہ ہو۔ رہ گیا عمر کا یہ قول کہ ہمارے خلاف لوگ شکنند

دفساد برپا کریں گے، تو یہ دھمکی تو وہ ہے جو ہم روز ازل سے سنتے چلے آتے ہیں، اور خدا بہترین مددگار ہے[1]

۷۔ کتب تواریخ میں بہت سے صحابہ کے نام ملتے ہیں جنہوں نے بیعت ابی بکر سے انکار کیا تھا۔ مہاجرین میں سے حضرت سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد بن اسود، عمار بن یاسر، بریدہ اسلمی اور انصار میں سے ابوالہیثم بن تیہان، سہل بن حنیف، عثمان بن حنیف، خزیمہ بن ثابت، ذوالشہادتین ابی ابن کعب، اور ابوایوب انصاری۔ سید علی خان نے اپنی کتاب درجات رفیعہ میں بہت سے صحابہ کا ذکر کیا ہے جنہوں نے بیعت ابی بکر سے انکار کیا اور بہر کار ولایت علی مرتضیٰ کی بیعت کرنے پر مُصر تھے۔ اس گروہ کے علیحدہ ہو جانے کے بعد گنتی کے چند مہاجرین رہ جاتے ہیں جنہوں نے مختلف اثرات کے ماتحت حضرت ابی بکر کی بیعت کی۔ تمام عرب کے ووٹ حضرت ابوبکر کے خلاف تھے، اسی لیے تو یہ کہا جاتا ہے کہ پورا عالم اسلامی مرتد ہو گیا تھا۔

ارباب اقتدار رسول اللہ کی بیٹی کے گھر پر

جن لوگوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت سے انکار کیا وہ علی، عباس، زبیر، سعد بن عبادہ وغیرہم تھے جن میں حضرت علی، عباس اور زبیر جناب سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے بیت الشرف میں قیام پذیر تھے۔ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو بھیجا کہ جو لوگ خانہ سیدہ طاہرہ میں ہیں

[1] کتاب الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ ص ۱۸، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ص ۴۴

ان کو نکال دیں، اور اگر وہ نکلنے سے انکار کریں تو انہیں بزورِ شمشیر نکال دیں۔ حضرت عمر تھوڑی آگ لے کر اس قصد سے وہاں پہنچے کہ گھر میں آگ لگا دیں۔ یہ معلوم کر کے حضرت فاطمہؑ نے کہا کہ کیا تم لوگ میرا گھر جلانے آئے ہو۔ حضرت عمر نے کہا، بیشک اسی ارادہ سے آئے ہیں، ورنہ جو لوگ اس گھر میں ہیں چلکر حضرت ابوبکر کی بیعت کریں۔[۱]

سرکارِ عصمت فاطمہؑ کا دعویٰ میراث

حضرت فاطمہ نے کسی کو بھیج کر حضرت ابوبکر سے اپنی جائداد کا سوال کیا جو ان کو مدینہ، فدک اور خمس خیبر میں رسول اللہ سے بطور میراث پہنچتی تھی۔ حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہؑ کے سوال کو منظور نہ کیا اور ان کو ان کی مطلوبہ جائداد میں سے کچھ نہ دیا۔ حضرت فاطمہؑ اس بات پر حضرت ابوبکر سے ایسی ناخوش اور رنجیدہ ہوئیں کہ مرتے دم تک انہوں نے حضرت ابوبکر سے کلام نہیں کیا۔ اور جب بعد چھ مہینے کے حضرت فاطمہؑ نے وفات پائی۔ تو حضرت علیؑ نے نمازِ جنازہ پڑھ کر رات ہی کے وقت ان کو دفن کیا۔ اور حضرت ابوبکر کو حضرت فاطمہ کی تجہیز و تکفین میں شریک ہونے کی اجازت نہیں دی۔[۲]

حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے تو حضرت فاطمہؑ نے ان کے پاس آ کر وہ جائداد طلب کی جو اُن کو رسول اللہ سے بطور ارث پہنچتی تھی۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ ہمارا کوئی وارث نہیں، جو کچھ ہم چھوڑ دیں وہ صدقہ ہے۔ حضرت فاطمہؑ نے کہا کہ کیا خدا کے نزدیک تم تو اپنے باپ کے

---

[۱] عقد الفرید، تاریخ ابوالفدا، تاریخ ابن جریر، کتاب الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ دینوری
[۲] صحیح بخاری۔

وارث ہو اور میں اپنے پدر بزرگوار کی وارث نہ ہوں کیا رسول اللہ نے یہ نہیں فرمایا
کہ ہر شخص اپنی اولاد کی حفاظت کرتا ہے۔ یہ سنکر حضرت ابوبکر بہت شدت
سے روئے[1]۔

فدک

فدک کی جائیداد خاص رسول اللہ کے لیے تھی۔ کیونکہ اس کا حصول
بغیر حرب وضرب کے ہوا تھا۔ اور مالک بن جعونہ سے
مروی ہے کہ بعد وفات سرور کائنات حضرت فاطمہؑ نے حضرت ابوبکر سے
کہا کہ فدک کی جائداد رسول اللہؐ نے مجھے عطا کی ہے۔ آپ بھی اس کو
میرے لیے بحال رکھیں اور اپنے اس دعوے کی شہادت میں حضرت علیؑ
کو پیش کیا۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ ایک گواہ اور چاہیئے۔ حضرت فاطمہ
نے دوسری شہادت ام ایمن کی پیش کی، حضرت ابوبکر بولے کہ ایک مرد
اور ایک عورت کی گواہی جائز نہیں ہوسکتی، بلکہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں
کی گواہی درکار ہے[2]۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدہ نے حسنینؑ کو بھی گواہ
پیش کیا[3]۔

حضرت فاطمہؑ کی استدعا پر حضرت ابوبکر نے فدک کے متعلق وثیقہ لکھ
دیا تھا۔ ناگہاں حضرت عمر آگئے اور انہوں نے حضرت ابوبکر سے پوچھا، کہ یہ
کیسی تحریر ہے؟ حضرت ابوبکر نے کہا کہ رسول اللہ کی جو میراث فاطمہ کو پہنچتی

---

[1] تاریخ ابن واضح [2] فتوح البلدان بلاذری [3] صواعق محرقہ لابن حجر مکی
باب الاول فصل الخامس ص ۲۲، وفاالوفا سید نورالدین سمہودی الجزء الثانی باب السادس
فصل الثانی ص ۱۵۷، شرح مواقف کتاب الاکتفا لابراہیم بن عبداللہ الوصابی

ہے اس کے متعلق میں نے ان کو یہ تحریر لکھ دی ہے۔ حضرت عمر بولے کہ
پھر کس چیز سے مسلمانوں کو نفقہ دو گے۔ عرب ضرور تم سے اس بات پر
لڑیں گے۔ یہ کہہ کر حضرت عمر نے اس کاغذ کو حضرت فاطمہؑ سے لیکر چاک
کر ڈالا ایلہ

دعویٰ خمس

حضرت فاطمہ نے حضرت ابو بکر کے پاس آ کر خمس (سہم ذوی القربیٰ) کا سوال کیا۔ تو انہوں نے کہا
میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سہم ذوی القربیٰ میری
حیات ہی ہے میرے بعد میں نہیں ہے

ان مقدمات پر تھوڑا سا غور

سیدہ طاہرہ کے ان تین مقدمات دعویٰ میراث، دعویٰ ہبہ اور دعویٰ خمس پر
ارباب فکر کو غور و فکر کرنا چاہیئے:۔

ا۔ تمام اقوام عالم کا مسلمہ اصول ہے کہ عدلیہ (Judiciary)
کو انتظامیہ (Executive) سے علیحدہ ہونا چاہیئے۔ اور انتظامیہ
کو مقدمات کے فیصلہ میں عدلیہ پر اثر انداز نہیں ہونا چاہیئے۔ دنیا کی تمام
متمدن قومیں آج کوشش کر رہی ہیں کہ عدلیہ، انتظامیہ کے اثرات سے
آزاد رہے۔ پاکستان میں بھی اس نظریہ کو اپنایا جا رہا ہے۔ اور
ارباب صحافت اس اصول پر اداریہ پر اداریہ اور مقالہ پر مقالہ سپرد قلم کر
رہے ہیں۔ آیئے ذرا اس معیار پر مقدمات سیدہ طاہرہ کا جائزہ لیں

لہ سیرۃ الحلبیہ بحوالہ کلام سبط ابن الجوزی، ۲ہ کنز العمال

دنیا کی تاریخ عدلیہ میں یہ مقدمات اپنی نوعیت کے یگانہ مقدمات ہیں ان مقدمات میں مدعا علیہ خود جج ہیں اور خود ہی گواہ اور فیصلے مدعیہ کے خلاف صادر ہوتے ہیں۔

ہمارے اس مادی دور میں اگر کسی جج یا مجسٹریٹ کے ہاں ایسے مقدمات آجائیں جن کا تعلق براہ راست ان سے یا ان کے کسی رشتہ دار یا دوست سے ہو تو عدل و انصاف کے تقاضے انہیں مجبور کرتے ہیں کہ وہ ایسے مقدمات کو کسی دوسرے جج یا مجسٹریٹ کی عدالت میں منتقل کردیں یا کرادیں۔ اور خود بنفسِ نفیس اس کی سماعت نہ فرمائیں قرن اولیٰ اور دورِ صحابہ میں ایسے مقدمات کی سماعت جن میں خود مدعا علیہ ہوں اور وہ خود ہی اس کی سماعت فرما کر خود ہی گواہی دے کر مدعیہ کے خلاف فیصلہ کردیں، اربابِ بصیرت کے لیے نہایت ہی حیرت انگیز اور تعجب زا ہے۔

ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ انہی رئیس انتظامیہ اور جج کے زمانہ میں دوسرے مقدمات کے دوسرے طریقوں سے فیصلہ کرنے کی مثالیں بھی موجود ہیں۔

حضرت ابوبکر عام طور پر ایسے مقدمات کا فیصلہ اس طرح فرمایا کرتے تھے کہ انکے زمانہ میں مدینہ منورہ میں چند اصحاب مقرر تھے جو مقدمات فیصلہ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک سال تک حضرت عمر قاضی (جج) رہے [۱]

---

[۱] تاریخ طبری الجزء الرابع ص ۵

کاش سیدہ کے یہ مقدمات صحابہ کرام کی اس فل بنچ کے سپرد کر دیے جاتے۔

حضرت ابوبکر کے زمانہ میں ایک طریقِ کار یہ تھا کہ حضرت ابوبکر مسجد میں خود تشریف فرما ہوتے، اکابر صحابہ کو بلا لیتے اور ان کے مشورہ سے فیصلے کر دیتے۔[1]

کاش سیدہ طاہرہ کے مقدمات کی سماعت کے وقت یہی طریقِ کار اختیار کیا جاتا۔

معصومۂ کونین سیدہ طاہرہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے علاوہ ہمیں زمانۂ حضرت ابی بکر میں چند ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں، جن میں چند اشخاص نے چند دعاوی پیش کیے، ان کے مطالبات کو بغیر کسی ثبوت کے قبول کر لیا گیا۔ ان میں سے صرف تین کو بنظرِ اختصار یہاں پیش کرتے ہیں۔

اوّل:- جب بحرین کا مال آیا تو حضرت ابوبکر نے منادی کرا دی کہ جس جس سے سرکارِ رسالت نے کچھ وعدہ فرمایا ہے وہ میرے پاس آن کر لے۔ جابر کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے کہا کہ رسول اللہ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر بحرین کا مال آیا تو ہم تمہیں اتنا اتنا اور اتنا دیں گے۔ اس پر حضرت ابوبکر نے مجھ سے کہا۔ کہ اس مال میں سے ایک لپ بھر لو، میں نے ایک لپ بھر لی۔ تو حضرت ابوبکر نے کہا کہ اس کو شمار کرو۔ میں نے شمار کیا تو پانچصد تھے۔ پھر

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۲ قسم ۲ صـ ۱۰۹

حضرت ابوبکر نے مجھے ڈیڑھ ہزار عطا کیے۔[۱]

دوم۔ زنباع والدِ رباح نے اپنے غلام کی ناک کاٹ ڈالی۔ سرکارِ رسالت کے ارتحال پُر ملال کے بعد وہ غلام حضرت ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوا اور دعوے کیا کہ جناب رسالتمآب نے میری کٹی ہوئی ناک دیکھ کر اور میرا حال سن کر ارشاد فرمایا تھا کہ جا تو آزاد ہے میں نے پوچھا کہ میں اپنے تئیں کس کا آزاد کردہ غلام سمجھوں۔ سرکارِ رسالت نے فرمایا کہ خدا اور رسولؐ کا۔ حضرت ابوبکر نے نہ اس سے کوئی ثبوت طلب کیا اور نہ ہی کوئی گواہ شاہد مانگا۔ اور محض اس کے بیان کو سچا تسلیم کر کے اس کا اور اس کے اہل وعیال کا نفقہ مقرر کر دیا۔ حضرت عمر کے زمانہ میں وہی غلام حضرت عمر کے پاس آیا اور یہی دعوی پیش کیا۔ انہوں نے فوراً پوچھا کہ تو کہاں کی جاگیر چاہتا ہے۔ اس نے کہا کہ میں مصر کی جاگیر چاہتا ہوں۔ حضرت عمر نے فوراً عامل مصر کو لکھا، چنانچہ اسے مصر میں جاگیر مل گئی۔ نہ کسی نے ثبوت مانگا نہ گواہ طلب کیا۔ ہاں زنباع نے اس غلام کی ناک اس لیے کاٹی تھی کہ وہ اس کی لونڈی سے زنا کرتا ہوا پایا گیا تھا۔[۲]

جابر ابن عبداللہ انصاری اور اس زانی غلام سے تو یہ طریق کار کہ

---

[۱] صحیح بخاری کتاب الخمس باب اقطع النبی من البحرین ص ۴۸۸۔ طبع اصح المطابع دہلی

[۲] مسند امام احمد حنبل ج ۲ ص ۱۸۲ ج ۱ ص ۱۳۳، ص ۲۸۵، ۲۵۹، ۲۵۱، ج ۴ ص ۵ و ص ۱۰، ج ۶ ص ۲۹۲، ۲۹۶، ۲۹۸، ۳۱۴

محض ان کا بیان کافی سمجھا گیا اور ان کے دعویٰ کو بلا ثبوت سچا تسلیم کر لیا گیا اور اس کے خلاف صدیقہ کبریٰ فاطمہ زہرا سے گواہ طلب کیے گئے۔ جب سیدہ نے علی و حسنین و ام ایمن جیسے گواہ پیش کیے تو ان کی گواہی کو تسلیم نہ کیا گیا۔

خاندانِ رسالت کے ساتھ یہ امتیازی سلوک حیرت زا ہے۔

سوم۔ یہودان بنی نضیر کی اراضیات بھی ایسی ہی تھیں کہ جن کو عام مسلمانوں نے حملہ کر کے فتح نہیں کیا تھا۔ بلکہ وہ بذریعہ صلح حاصل کی گئی تھیں۔ جب سرکارِ رسالت محمد مصطفےٰ ارواحنا لہ الفداء کے قبضہ میں آئیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان اراضیات کو حضرت ابوبکر، حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف، حضرت ابو دجانہ انصاری حضرت سماک بن خرخشہ الساعدی اور دیگر صحابہ کرام کے حق میں ہبہ کر دیا تھا۔[1]

جو انداز مقدمہ ہبہ فدک میں اختیار کیا گیا اس کا یہی تقاضا تھا، کہ ان اراضیات پر حکومت اسی طرح قبضہ کرتی۔ اور جب یہ لوگ دعوے دائر کرتے تو ان سے بھی ثبوت طلب کیا جاتا۔ اور اگر یہ لوگ علی و حسنین علیہم السلام سے بہتر گواہ لاتے تو یہ اراضیات انہیں واپس کی جاتیں ورنہ فدک کی طرح ان کو حکومت اپنے قبضہ میں رکھتی اور ان کے مقدمات کو خارج کر دیا جاتا۔

مقدمہ ہبہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ گواہی کا نصاب پورا نہیں تھا، شہادت

---

[1] فتوح البلدان بلاذری صـ ۲۳ تا صـ ۲۷

دو آدمیوں یا ایک آدمی یا دو عورتوں کی چاہیئے تھی۔
اول تو اس مقدمہ میں ارباب اقتدار نے صدیقہ کبریٰ فاطمہ زہرا کی شخصیت کو نظر انداز کر دیا ہے۔ حالانکہ اس شخصیت کے متعلق حضرت ام المومنین بی بی عائشہ ارشاد فرماتی ہیں:۔

ماراَیت احد کان اصدق بلهجة من فاطمة الّا ان یکون الذی ولدها صلی اللّٰہ علیہ وسلّم۔

"میں نے فاطمہ سے زیادہ کسی کو صاف گو نہیں دیکھا۔ البتہ ان کے والد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم"[۱]

نیز حدیث صحیح میں جناب رسول اللہ سے روایت موجود ہے، جو ایک عورت کی گواہی سے رضاع ثابت ہو جانے پر دلالت کرتی ہے۔ گو وہ کنیز ہی ہو[۲]

بلکہ حق یہ ہے، ایک گواہ ہو تو بھی اس کی صداقت ظاہر ہونے پر اسے تسلیم کر لینا چاہیئے۔ جناب رسالتمآبؐ نے ابی قتادہ کے لیے قتل مشترک کے بارہ میں ایک گواہ کی شہادت جائز رکھی اور اسی پر مقتول کا سامان اس کے حوالہ کر دیا۔ اور ابوقتادہ سے کوئی حلف بھی نہ لی[۳]

اور پھر گواہ بھی علیؑ جیسا جس کی صداقت میں کوئی کلام نہیں۔
اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ امام حسنؑ، امام حسینؑ اور سیدہ ام کلثوم کی گواہی

۱؎ استیعاب ج ۲ ص ۷۵۰۔ ۲؎ اعلام الموقعین ص ۳۴
۳؎ اعلام الموقعین لابن قیم ص ۳۶۔

باطل ہے کیونکہ اولاد اور صغیر کی گواہی مقبول نہیں[1] یہ عذر بھی مقبول نہیں کیونکہ اللہ تعالےٰ یا رسول اللہ نے باپ، بیٹے یا بھائی یا کسی قرابتدار کو مستثنٰے نہیں فرمایا۔ اور نہ ان میں سے کسی کے استثنا پر مسلمانوں کا اجماع ہوا۔ کہ اسے دلیل قرار دیا جائے۔ بلکہ عبدالرزاق نے ابی بکر بن ابی سبرہ سے روایت کیا ہے۔ اس نے ابی الزناد سے اس نے عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے روایت کیا۔ وہ کہتا ہے کہ عمر بن الخطاب نے کہا، باپ کی بیٹے کے لیے اور بیٹے کی باپ کے لیے، بھائی کی بھائی کے لیے گواہی جائز ہے۔ اور اس نے باسناد خود زہری سے روایت کیا ہے۔ اس نے کہا کہ سلف (متقدمین) مسلمین سے جو صالح ہوتا تھا اس کی گواہی ہیں جو باپ کی بیٹے کے لیے یا بیٹے کی باپ کے لیے یا بھائی کی بھائی کے لیے یا زوج کی اپنی زوجہ کے لیے ہوتی کوئی اس پر اعتراض نہیں کیا جاتا تھا۔ نہ مقام تہمت متصور ہوتا تھا۔[2]

اور اقربا کی شہادت کے مقبول ہونے پر قرآن مجید بھی دلالت کرتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ کونوا قوامین بالقسط شهداء لله ولو علىٰ انفسكم او الوالدين والاقربين۔ یعنی اللہ کے لیے تم عدل کے ساتھ گواہ قائم ہو جاؤ اگرچہ یہ گواہی تم اپنے آپ پر دو یا اپنے والدین یا اپنے اقربا پر دو۔[3]

حسنین کے صغیر سن ہونے کے متعلق جو اعتراض ہے وہ بھی منافی قرآن ہے،

---

[1] صواعق المحرقہ لابن حجر مکی ص۲۳، [2] اعلام الموقعین ص۱۱۱

[3] اعلام الموقعین ص۱۱۲۔

جب کہ طفلِ صغیر کی گواہی حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق مقبول ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گواہی اپنی ماں مریم طاہرہ کے متعلق مقبول ہے حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام اس وقت مہد میں طفلِ شیر خوار تھے۔ مقدمہ واقعہ مباہلہ اس پر شاہد کہ حسنین علیہما السلام رسول اللہ کی صداقت کے گواہ بن کر گئے تھے۔ جو ان کی عصمت کی دلیل ہے۔ جو رسول اللہ کے گواہ ہو سکتے ہیں وہ سیدہ کے گواہ کیوں نہیں ہو سکتے؟

خمس کے متعلق امام زاہد کا قول ہے کہ آلِ رسول کا خمس میں حصہ قرآن کی نص سے صاف طور پر ثابت ہے۔ مگر چونکہ اس پر خلفائے راشدون نے عمل نہیں کیا، پس آیۂ مذکور ہمارے نزدیک منسوخ ہو گئی[1]

خلفا بالاجماع غیر معصوم ہیں۔ اگر اس اصول کو تسلیم کر لیا جائے، تو غیر معصوم حکمرانوں کا فعل نصوص قرآنیہ کو منسوخ کر سکتا ہے۔ اس اصول سے شریعت الہٰیہ کی جو پوزیشن رہ جاتی ہے وہ عاقل البصیر پر پوشیدہ نہیں۔ حالانکہ قرآنِ مجید کے احکامات قیامت تک کے لیے ہیں۔ اس اصول کو تسلیم کرنے والوں نے قرآنِ مجید کے احکامات کے تغیر و تبدل کا دروازہ کھول دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حزبِ اقتدار نے حزبِ اختلاف کو معاشی طور پر کمزور رکھنے کی پوری سعی کی ہے۔

صدقہ آلِ محمدؐ پر از روئے شریعت حرام ہے۔ خمس سے انہیں محروم کر دیا گیا۔ ہبہ شدہ جائداد سے انہیں بے دخل کیا گیا اور ان کے حقِ وراثت

---

[1] تفسیر احمدیہ ص ۴۳۰ مطبوعہ دہلی

کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ حالانکہ ان کے ورثہ سے محروم ہونے کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے اور انبیاء علیہم السلام کا ورثہ نصوص قرآنیہ اور کتب احادیث و تاریخ سے ثابت ہے اور جو حدیث محرومی وراثت کے لیے بیان کی گئی ہے وہ خبرِ احاد سے ہے، جسے حضرت ابوبکر کے سوا کسی نے بیان نہیں کیا۔

سوالات

۱۔ ناگہانی طور پر بیعتِ ابوبکر کا صحابہ پر کیا اثر تھا۔ اور اس پر انصار نے کیا اعلان کیا تھا؟

۲۔ حزبِ اقتدار کے حامی مورخوں نے اس بیعت پر اکابر قریش و معزز مہاجرین کے جذبات کی جو تصویر کشی اشاروں میں کی ہے اسے بیان کرو۔

۳۔ بنی ہاشم اور اکابر صحابہ کی جماعت کیا چاہتی تھی عتبہ بن ابی لہب کے اشعار کا خلاصہ بیان کرو۔

۴۔ خالد بن سعید بن عاص اموی کا احتجاج اور اس پر حضرت ابوبکر و حضرت عمر کا رویہ بیان کرو۔

۵۔ حضرت عباس ابن عبدالمطلب کی مخالفت پر مغیرہ بن شعبہ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو کیا مشورہ

دیا۔ اس پر حضرت ابوبکر نے انہیں رام کرنے کے لیے کیا رویہ اختیار کیا اور حضرتِ عمر نے کیا کیا؟

۶۔ حضرتِ عباس نے حضرت ابوبکر اور عمر کی باتوں کا کیا جواب دیا؟

۷۔ مہاجرین و انصار میں سے وہ کون کون سے صحابی ہیں جنہوں نے بیعت حضرت ابوبکر سے انکار کیا۔

۸۔ اربابِ اقتدار نے رسولؐ کی بیٹی کے گھر پہنچ کر کیا سلوک کیا؟

۹۔ سیدہ طاہرہ فاطمہ نے جو میراث کا دعویٰ کیا اسے بیان کرکے حکومت کا جواب اور اس کا سیدہ پر اثر بیان کرو۔

۱۰۔ معصومۂ کونین حضرتِ فاطمہ نے دعوائے ہبہ کس طرح پیش کیا اور کس طرح ثبوت پیش کیا۔ گواہی پر حضرت ابوبکر کے اعتراضات کیا تھے؟ آخر انہوں نے کیا فیصلہ کیا اور حضرت عمر نے اس فیصلہ کو کس طرح مسترد کیا۔

۱۱۔ ثابت کیجئے کہ سیدہ طاہرہ کے مقدمات تاریخ عدلیہ میں اپنی نوعیت کے یگانہ مقدمات ہیں۔

۱۲۔ حضرت ابوبکر کے زمانہ میں دوسرے مقدمات کے

فیصلہ کرنے کے کیا طریقے تھے؟ ثابت کرو کہ سیدہ کے مقدمات میں یہ طریقے اختیار نہیں کیے گیے۔

۱۳۔ مقدمات سیدہ کے علاوہ حضرت ابوبکر کے زمانہ کے چند اور مقدمات کی مثالیں پیش کرو۔کہ مقدمات سیدہ میں جو روش اختیار کی گئی وہ حیرت انگیز ہے۔

۱۴۔ ثابت کرو کہ جو انداز سیدہ کے مقدمات میں اختیار کیا گیا وہ ان کی شانِ عصمت کے منافی تھا۔

۱۵۔ اسلامی قانونِ شہادت کو بیان کر کے ان اعتراضات کا جواب دو جو مقدمۂ ہبہ پر نصابِ شہادت پہ کیے جلتے ہیں۔

۱۶۔ مقدمۂ خمس کے متعلق باوجود نصِ قرآن کے جو جواب دیا جاتا ہے اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو اس کا کیا نتیجہ ہوگا۔

۱۷۔ ثابت کرو کہ حزبِ اقتدار نے حزبِ اختلاف کو معاشی طور پر کمزور کرنے کی پوری طور پر سعی کی ہے۔

بارہواں باب

جناب امیر علیہ السّلام کی پُر امن وسکون زندگی

مصلحانہ رویّہ، قائدِ حزبِ اختلاف کا بہترین نمونہ عمل

جناب امیر علیؑ کی گوشہ نشینی اور جمع قرآن

اس سیاسی انقلاب کے بعد جناب امیر علیہ السلام نے گھر سے نکلنا اور لوگوں سے ملنا جلنا ترک کر دیا تھا۔ ہر وقت گوشۂ تنہائی میں بیٹھے قرآنِ حکیم کے متفرق اجزا کو جمع کرتے رہتے تھے۔ اگر کوئی اس عزلت گزینی کی وجہ دریافت کرتا تو فرماتے تھے کہ میں نے عہد کیا ہے کہ جب تک قرآنِ مجید کو اس کی اصلی ترتیب اور شانِ نزول کے مطابق جمع نہ کر لوں دوش پر عبا نہیں ڈالوں گا۔ انھوں نے اپنی گوشہ نشینی سے یہ بتلایا کہ سیاسی حالات کتنے ہی ناسازگار ہو جائیں ہمیں خدمتِ اسلام کے لیے مصروفِ جدوجہد رہنا ہے۔ رسول اللہؐ نے حدیث ثقلین کے ذریعہ امت کو بتلایا ہے کہ ہمارا اور قرآن کا ساتھ ہے۔ اس لیے قرآنِ حکیم کی حفاظت و صیانت ہمارا ایسا فریضہ ہے کہ

ہم اسے کسی طرح نظر انداز نہیں کر سکتے۔ کیونکہ قرآنِ کریم کا اس ترتیب کے ساتھ جس طرح وہ نازل ہوا تھا مرتب کرنا عام صحابہ کے بس کی بات نہ تھی۔ کیونکہ صحابہ کرام ہر وقت رسول اللہ کی خدمت میں موجود نہیں رہتے تھے۔ اور ان میں سے بہت سے حضرات مدینہ منورہ کی ہجرت کے بعد اسلام لائے تھے۔ اور قرآن اس سے پہلے نازل ہو رہا تھا۔ ان میں سے بہت سے تجارت پیشہ اور کاروباری لوگ تھے۔ ان کو اتنی بھی مہلت نہ تھی کہ قرآنِ مجید پورا یاد کر لیتے چہ جائیکہ ان کو آیات کی پوری ترتیب اور شانِ نزول پیش نظر ہوتی۔ بے شک اس کام کے لیے ایسی ہستی کی ضرورت تھی جس کو خاص طور سے رسول اللہ کی جانب سے علم قرآن حاصل ہوا ہو۔ جو آیات کی ترتیب، شان، کیفیت نزول سے پورے طور سے آگاہ ہو اور اعلان کر رہا ہو کہ میں جانتا ہوں۔ کہ کون سی آیت سفر میں نازل ہوئی اور کون سی حضر میں کونسے دن، کونسی رات کون سی ہموار زمین پر اور کونسے پہاڑ کی بلندی پر نازل ہوئی۔ بے شک ایسی ذات علی ابن ابی طالب کی تھی جنہیں اپنے حق سے محروم ہوتے کے بعد بھی اپنے فرائض کا اتنا شدید احساس تھا۔ اسی لیے آپ کو اس گوشہ نشینی اور غم و رنج کی فراوانی کے عالم میں پہلی فکر جمع قرآن تھی لیکن سیاسی مصالح جن کی بنا پر حزب اقتدار نہیں چاہتا تھا کہ علیؑ کی شخصیت نمایاں ہو حزبِ اقتدار حزب اختلاف کے لیڈر کو بھلا دینے میں ڈالنا چاہتا تھا۔ اور نہیں چاہتا تھا کہ علیؑ کے کسی بڑے سے بڑے کام کو بڑا سمجھ کر اس کی اہمیت کو تسلیم کیا جائے۔ اس لیے علی علیہ السلام کے جمع کیے ہوئے

قرآن کو ارباب اقتدار نے محل توجہ قرار نہیں دیا۔ اور اسے لے کر غور سے دیکھنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اس لیے یہ دیکھ کر حضرت خاموش ہو رہے۔ اور اپنے جمع کردہ مصحف کو سلک مروارید کی طرح اپنے خزانہ خاص میں محفوظ کیا[1]

جناب شاہ ولی اللہ دہلوی نے حضرت علیؑ کے حالات میں لکھا ہے:۔

"حضرت علی کا حصہ علوم دینیہ کے زندہ کرنے میں یہ بھی ہے کہ آپ نے حضرت رسول اللہؐ کے سامنے قرآن کو جمع اور مرتب کیا تھا، لیکن اس کے شائع ہونے میں تقدیر نے مدد نہیں کی"[2]

حکومت کے لیے جدوجہد کے مشورے اور علی علیہ السلام کا تدبر

کچھ لوگ جناب امیر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ کو جوش دلاتے ہیں کہ آپ سلطنت کے لیے جو آپ کا حق ہے کوشش کیجیے۔ اُٹھیے ہم آپ کی امداد کے لیے تیار ہیں۔ ان میں حقیقی خیر خواہ اور دوست بھی ہیں اور منافق خود غرض بھی۔ جو خانہ جنگی سے اپنے مفاد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ مگر یہ سراپا تدبر انسان اسلامی مفاد کے پیش نظر جذبات میں نہیں آتا۔ اور ایک ممتاز قائد حزب اختلاف کی حیثیت سے ہر قسم کی قربانی اور ایثار کے لیے کمربستہ ہے۔

---

[1] مقدمہ تفسیر قرآن سید العلماء علامہ علی نقی مدظلہ،

[2] ازالۃ الخفاء مقصد ۲ صد ۲۷۳

حضرت عباس ابن عبد المطلب کی پیشکش

رسول اللہؐ کے چچا حضرت عباس ابن عبد المطلب کہتے ہیں کہ اپنا ہاتھ بڑھاؤ، میں آپ کی بعیت کر لوں۔ اس کا عوام پر بہت بڑا اثر پڑے گا۔ وہ کہیں گے کہ رسول اللہ کے چچا نے ان کے ابن عم کی بعیت کر لی۔ پھر کسی کو عذر نہ ہوگا۔ اگر علیؑ کو صرف اپنا مفاد پیش نظر ہوتا تو یہ بہترین موقعہ تھا مگر وہ اپنے مفاد کی بجائے ایثار کے آئینہ میں حقائق کو دیکھ رہے تھے۔

بنی اُمیہ کے سردار ابو سفیان بن الحرب کی پیشکش

بنی امیہ کا سردار ابو سفیان جو آخری وقت تک رسول اللہ سے برسر پیکار رہا اور اپنی آخری ناکامی پر اسلام میں داخل ہوا تا کہ موقعہ آنے پر اپنی ناکامیوں کو کامیابیوں سے بدل سکے حاضر خدمت ہوتا ہے اور کہتا ہے :۔

"کتنے غضب کی بات ہے کہ آپ لوگوں کے ہوتے ہوئے قریش کے ادنیٰ قبیلہ کو خلافت سے کیا ربط اور واسطہ۔ خدا کی قسم علیؑ تم کھڑے ہو جاؤ اور کہو تو میں اس میدان کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں[۱]۔"

مگر حزب اختلاف کے لیڈر علی ابن ابی طالب جذبات سے بہت بلند و برتر اور خود غرضی کی لوث سے مبرّا و منزّا اسلام کے سچے محافظ اور اپنے

---

[۱] تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۲۰۲، کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۴۰

زائفن کے شناسا انسان تھے۔ لوگوں کے کہنے میں نہیں آتے۔ وہ ابوسفیان کو اس طرح ڈانٹ کر جواب دیتے ہیں "کہ خدا کی قسم تو ہمیشہ اسلام اور اہل اسلام کا دشمن رہا ہے۔ اس کلام سے تیرا مقصود صرف یہ ہے کہ اسلام میں ایک فتنہ پیدا کر دے۔ تو ہمیشہ اسلام کو نقصان ہی پہنچانے کی فکر میں رہا۔ مجھے تیری نصیحت اور ہمدردی کی کوئی ضرورت نہیں۔[۱]" حضرت علی علیہ السلام کا یہ جواب صاف بتلا رہا ہے کہ ہمارے حقوق ہاتھ سے جائیں ہمیں ذاتی طور پر نقصان پہنچے مگر ہماری نظر ہمیشہ اسلامی مفاد پر ہے اور ہم اس کیلئے ہر طرح قربانی اور ایثار کیلئے تیار ہیں حضرت علی علیہ السلام کے اس عمل اور ان کے ان الفاظ نے تمام مسلمانوں کو جس میں حزب اقتدار بھی شامل تھا، واضح طور پر بتلا دیا کہ ابوسفیان اور ان کے خاندان کا اسلام صرف نمائشی اسلام ہے۔ اور ان سے اسلام کو ہمیشہ ضرر و نقصان کا اندیشہ ہے۔ اور ہم اسلام کے سچے خیر خواہ ہیں۔ اس لیے مفاد اسلام کے لیے ہر طرح کی قربانی کے لیے آمادہ ہیں۔ اگر علیؑ عام انسانوں کی طرح ابوسفیان کی باتوں میں آجاتے اور اس کی امداد پر اعتماد کر کے کھڑے ہو جاتے تو اسلام اسی وقت ہولناک خانہ جنگی میں مبتلا ہو جاتا اور رسول اللہؐ کی تمام کوششوں پر پانی پھر جاتا۔ بھلا علیؑ جیسے وفا شعار اپنے مفاد کے لیے اسلام کی اس تباہی کو کس طرح برداشت کر سکتے تھے؟

حزبِ اقتدار پر اس واقعہ کا اثر مورخین نے ابوسفیان کے اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے۔ جب

---

[۱] تاریخ طبری جلد ۳ ص ۳۰۳

سرکار رسالتؐ نے انتقال فرمایا، ابوسفیان کسی کام کے لیے مدینہ سے باہر گیا ہوا تھا جب وہ پلٹا تو ایک شخص کو دیکھا کہ مدینہ سے آ رہا ہے ابوسفیان نے اس شخص سے پوچھا کیوں بھائی کیا محمدؐ مر گئے۔ اس شخص نے کہا ہاں پوچھا پھر ان کی جگہ کون حاکم ہوا۔ کہا حضرت ابوبکر۔ ابوسفیان بولا۔ کہ ابوبکر کے خلیفہ ہو جانے پر وہ دونوں جو بہت کمزور سمجھ لیے گئے ہیں۔ یعنی حضرت علی اور حضرت عباس نے کیا رکیا۔ اس نے جواب دیا، وہ دونوں خاموش بیٹھ رہے۔ اس پر ابوسفیان بولا۔ خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا تو ان دونوں کو برانگیختہ کر کے رہوں گا، پھر کہا میں اب فتنہ و فساد کا وہ غبار دیکھ رہا ہوں جس کو خون ریزی کے سوائے کوئی چیز بھی نہیں دبا سکتی۔ پھر جب ابوسفیان مدینہ میں پہنچا تو اس کی گلیوں اور کوچوں میں پھر کر اور چکر لگا کر اس واقعہ پر اپنی حیرت اور اپنے غصہ کا اظہار کر رہا تھا اور چند اشعار پڑھتا تھا جن کا حاصل ترجمہ یہ تھا:-

اے بنو ہاشم۔ تم لوگوں کو اپنے بارے میں طمع نہ دلاؤ،
خاص کر بنو تیم (حضرت ابوبکر کا قبیلہ) اور بنو عدی (حضرت عمر کا قبیلہ) کو کیونکہ یہ خلافت تمہارے خاندان کے سوا کبھی اور طرف نہیں جانا چاہیے۔ اور تمہاری طرف اس کی بازگشت ہونا چاہیئے
اور اس خلافت کا حقدار حضرت ابوالحسن علی ابن ابی طالب کے سوا کوئی بھی نہیں ہے اس کی اس ہنگامہ آرائی پر حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ لو یہ بھی یہاں آ گیا۔ یہ تو بہت بڑا فتنہ و فساد

بپا کرے گا۔ اسی وجہ سے رسول اللہؐ اس کی تالیف قلب کرتے رہتے تھے، اب مصلحت یہ ہے کہ اس کے ہاتھ میں جو صدقہ کے امور ہیں اس کو اسی طرح رہنے دو۔ حضرت ابوبکر نے ایسا ہی کیا۔[1]"

ابوسفیان کی اسی معاندانہ روش کا اثر تھا کہ شام کی مہم میں اس کے دونوں بیٹوں یزید و معاویہ کو شامل کر کے بھیجا گیا اور پھر شام کی گورنری ان کے لیے ہی مخصوص ہوگئی۔ اور اسی زینہ سے یہ خاندان بادشاہت تک پہنچ گیا۔ ابوسفیان کی اولاد فتوحات ملکی کے دروازہ قصر سلطنت میں داخل ہوئی۔

حضرت علی علیہ السلام کی مشکلات اور ان کا تدبّر

ایک ایسے زمانہ میں جبکہ عرب کی اس نوزائیدہ حکومت پر ارتدادی زلزلہ طاری تھا ہر طرف مخالفت کے علم بلند تھے۔ لغاوتیں ہو رہی تھیں۔ علیؑ کا اپنے حقوق کے لیے جنگ شروع کر دینا بظاہر ان کی کامیابی کا ذریعہ ہوتا۔ اگر علیؑ کے سوا کوئی اور انسان ہوتا تو ابوسفیان کی پیشکش کو قبول کر لیتا۔ ایسے حالات میں تو حقدار اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے تنکے کا سہارا بھی قبول کر لیتے ہیں۔ مگر وہ علیؑ تھے جو تمام جذبات سے بالا و برتر تھے۔ یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے اور صبر کیے ہوئے تھے، اس وقت آپ کا سخت امتحان لیا گیا۔ ایک طرف بنی امیہ کی حمایت سے حصول سلطنت کی امید تھی

---

[1] عقد الفرید جلد ۲ صـ ۱۹۶ مطبوعہ مصر

اور دوسرے طرف جدید الاسلام لوگوں کے اسلام سے روگردان ہوجانے اور اسلام کے تباہ ہوجانے کا اندیشہ، علیؑ اس امتحان میں پورے اترے۔ انہوں اپنے حقوق کو قربان کر کے اسلام کو تباہی سے بچا لیا۔ آپ نے اس موقعہ پر ایک خطبہ بھی ارشاد فرمایا۔ جس کا ایک ایک لفظ قابلِ غور و فکر ہے۔ اس خطبہ کا ترجمہ یہ ہے۔

نزاکتِ زمانہ کے پیشِ نظر حضرت علی مرتضیٰ کا خطبہ

"لوگو! اسلام میں جو فتنے پیدا ہو چکے ہیں۔ ان کی موجوں کو اپنے صبر و ضبط کی کشتیوں سے چیر ڈالو اور بھڑکانے والے راستہ سے مڑ جاؤ، اور تکبر اور مفاخرت کے تاجوں کو اتار کر پھینک دو۔ یہ جان لو کہ وہی شخص اپنے ارادوں میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ جو کسی مضبوط بازو کے سہارے کھڑا ہو یا خاموش رہ کر لوگوں کو آسودہ کرے، دنیا گویا متعفن (بدبودار) پانی ہے اور وہ بدمزہ لقمہ ہے کہ جس کے کھانے والے کو اچھو ہونے لگے۔ علاوہ بریں اس وقت بیعت لینا اس وجہ سے بھی مناسب نہیں کہ بے وقت میوؤں کا چننے والا مثل اس شخص کے ہے جو نامناسب زمین میں زراعت کرے اور دیکھو اگر میں معاملہ خلافت میں دخل دے کر کچھ بولتا ہوں تو سب لوگ کہنے لگیں گے کہ حکومت کے لیے لالچ اختیار کیا ہے۔ اگر سکوت اختیار کرتا ہوں تو کہتے ہیں کہ علیؑ تو موت سے ڈر گئے، افسوس میرے

جہاد دل اور رسول اللہ کے غزوات میں میرے چھوٹے بڑے معرکے دیکھنے کے بعد بھی یہ لوگ ایسا خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ خدا کی قسم علی موت سے اس قدر مانوس ہے کہ اتنا کوئی بچہ اپنی ماں کے پستان سے بھی مانوس نہ ہوگا، مگر میرے سکوت کی وجہ یہ ہے کہ میں ایسے علم پر مطلع ہوں جس کو اگر ظاہر کردوں تو تم لوگ اس طرح ڈانواں ڈول ہو جاؤ جیسے گہرے کنوئیں میں ڈول وغیرہ کی رسیاں ہلنے لگتی ہیں اور ڈول سے ٹکراتی جاتی ہیں، انہیں سکون و قرار نہیں ہوتا۔[1]

اگر علیؑ دوراندیشی سے کام نہ لیتے تو کیا ہوتا؟

اس موقعہ پر علیؑ کی مصلحت بینی نے وہی راہ اختیار کی جو سرکار رسالتؐ صلح حدیبیہ میں اختیار کر چکے تھے۔ اگر حضرت علی، ابوسفیان کی حمایت قبول کر لیتے اور میدان میں اتر کر اعلانِ جنگ کر دیتے تو مسلمان ایک دوسرے کی گردنیں کاٹ کر اتنے کمزور ہو جاتے کہ کفار و یہود و نصاریٰ سب ٹوٹ پڑتے اور وہ لوگ جو اسلام سے شکست پر شکست کھا چکے تھے انتقام پہ کمر بستہ ہو جاتے۔ علیؑ نے اسلام کی بھلائی اسی میں دیکھی کہ وہ خاموش رہ کر اسلام کے قدموں کو مضبوط ہونے دیں۔ علی علیہ السلام کو اپنے قیامِ حکومت سے اسلام زیادہ عزیز و محبوب تھا۔

---

[1] نہج البلاغہ جلد ا صـ ۴۲

سوالات

۱۔ سیاسی انقلاب کے بعد جناب امیر کی گوشہ نشینی اور ان کے مشغلہ جمع قرآن کی اہمیت کو بیان کرو۔ ارباب اقتدار نے حضرت علیؑ کے جمع کیے ہوئے قرآن کو کیوں محلِ توجہ قرار نہیں دیا؟

۲۔ وہ کون سے دو گروہ تھے جنہوں نے حضرت علیؑ کو حصول حکومت کے لیے جدو جہد کرنے کے مشورے دیے؟ اس پر حضرت علیؑ کے مدبرانہ روّیہ کو بیان کرو۔

۳۔ حضرت عباس ابن عبدالمطلب کی پیشکش کو بیان کرو حضرت علیؑ نے اس پیشکش کو کیوں قبول نہ فرمایا؟

۴۔ ابو سفیان کی پیشکش میں کیا سیاسی مصلحت تھی۔ اور حضرت علیؑ نے اس کا کیا جواب دیا۔ اس جواب سے حضرت علیؑ نے مسلمانوں کو کیا سبق دیا؟

۵۔ ابوسفیان کی پیشکش کا اربابِ اقتدار پر کیا اثر ہوگا۔ اور انہوں نے اس پر کیا روّیہ اختیار کیا؟ اور اس رویہ سے مسلمانوں کی تاریخ پر کیا اثر پڑا؟

۶۔ حضرت علیؑ کی مشکلات اور ان کے تدبّر کو بیان کرو۔

۷۔ نزاکتِ زمانہ کے لحاظ سے حضرت علیؑ نے جو ہادیانہ خطبہ ارشاد فرمایا اسے بیان کرو۔

۸۔ اگر حضرت علیؑ دور اندیشی سے کام نہ لیتے تو کیا ہوتا؟

۹۔ حضرت علیؑ کے حکمرانوں سے تعاون کا ذکر کرکے اس تعاون کی وجہ بیان کیجیے۔

۱۰۔ ثابت کیجیے کہ حضرت علیؑ حزبِ اختلاف کے قائد کا بہترین نمونۂ عمل ہیں۔

۱۱۔ مسلمان ملکوں کے حزبِ اختلاف کو حضرت علیؑ کی مصلحانہ زندگی سے کیا سبق ملتا ہے؟

تیرھواں باب

حضرت ابوبکر کی خارجہ حکمتِ عملی!

حکومت کو بچانے کے لیے عربوں کو جنگ و جدل میں مصروف کر دینا ناگزیر تھا

سرکارِ رسالتؐ کے ارتحال پُر ملال کے بعد جو حکومت مدینہ میں قائم ہوئی تھی وہ ایسے حالات میں قائم ہوئی تھی کہ اسے قائم رکھنے اور مخالفتوں سے بچانے کے لیے عربوں کو جنگ و جدل میں مصروف کر دینا ضروری تھا اور انہیں عرب سے باہر ممالکِ خارجہ میں بھیجنے کے سوا چارۂ کار نہ تھا۔

۱۔ حکومت کے لیے یہ بڑی خطرناک صورت تھی کہ عام طور پر یہ بحث چھڑ گئی تھی کہ خلافت کس کا حق ہے اور وہ کن ہاتھوں میں چلی گئی ہے۔ اس بحث کو جلد سے جلد روکنا ضروری تھا۔

۲۔ سقیفہ بنی ساعدہ کے انتخاب کے بعد جب لوگوں نے بالخصوص

انصار نے واقعات پہ غور و فکر کرنا شروع کیا تو مہاجر و انصار کے دو کیمپ بن گئے تھے۔ اور وہ آپس میں لڑنے لگے تھے انصار نے نتیجہ نکالا تھا کہ ہم نے علیؑ کو چھوڑنے میں شدید غلطی کی ہے انصار کی اکثریت بیعت حضرت ابی بکر پہ نادم تھی اور انہیں افسوس تھا کہ علیؑ اس وقت کیوں موجود نہ ہوئے۔

۲۔ حضرت ابوبکر کی پارٹی نے محسوس کرنا شروع کر دیا تھا کہ انصار لوگوں کو حکومت کے خلاف علی ابن ابی طالب کی حمایت کے لیے اُبھارتے ہیں۔

۴۔ قریش میں چند آدمی خاص طور پر انصار کے خلاف تھے، وہ اس مخالفت کی آگ کو خاص طور پہ ہوا دے رہے تھے۔ مثلاً سہیل بن عمرو، حرث بن ہشام، عکرمہ بن ابی جہل۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے رسول اللہؐ کے خلاف خصوصیت سے جنگوں میں حصہ لیا تھا اور آخر شکست خوردہ ذہنیت سے اسلام قبول کیا تھا۔ اور یہ سب وہ تھے جنہیں انصار سے ان جنگوں میں اذیتیں پہنچی تھیں اور وہ اپنے دلوں میں انصار سے کینہ رکھتے تھے۔

سہیل بن عمرو کو جنگ بدر میں مالک بن دخشم نے قیدی بنایا تھا۔ حرث بن ہشام کو جنگِ بدر میں عمرہ بن عمرو نے مجروح کیا تھا۔ عکرمہ بن ابی جہل کے باپ کو عفرہ کے دونوں بیٹوں نے قتل کیا تھا اور زیاد بن لبید نے اس کی زرہ اُتاری تھی۔

۵۔ ابوسفیان جیسے لوگوں نے حکومت کے خلاف لوگوں کو بھڑکانا شروع کر دیا تھا۔

۶۔ کچھ لوگوں نے یہ خطرناک عذر پیدا کر دیا تھا کہ موجودہ حاکم جائز نہیں۔ لہٰذا ہم ان کو زکوٰۃ نہ دیں گے۔

۷۔ کچھ لوگ حصولِ اقتدار کے لیے حکومت کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر چکے تھے۔

ان حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے عربوں کو جنگ و جدل کے مشغلہ میں لگا دینا اور انہیں مالِ غنیمت کے دھندہ میں مصروف کر دینا ضروری تھا۔

عربوں کی دو خصوصیتوں جبلّتِ جدلیہ اور مالِ غنیمت کی طمع سے حکومت نے فائدہ اٹھایا

اربابِ اقتدار یہ اچھی طرح سے جانتے تھے کہ جبلتِ نزاعیہ، یا جدلیہ (Pugnacity Instinct) یعنی لڑنا اور دوسرے مالِ غنیمت لوٹنا عربوں کی دو نمایاں خصوصیتیں ہیں۔ لہٰذا حکومت کو مشکلات درپیش ہیں۔ ان کا واحد حل یہی ہے، ان لوگوں کو مدینہ سے باہر بھیج دیا جائے تاکہ ان کو یہ دونوں موقعے مل جائیں۔ دل کھول کر لڑ بھی لیں اور جی بھر کر مالِ غنیمت سے بھی لطف اندوز ہو جائیں۔ چنانچہ عربوں کو مصروفِ جنگ و جدل کرنے کے لیے منکرینِ زکوٰۃ کو مرتد قرار دیا گیا۔ ان کا مال مالِ غنیمت بنا اور ان کے زن و فرزند لونڈی اور غلام بنا لیے گئے

جنگ کی یہ مشغولیت جلد ختم ہو گئی تو فاتح افواج کو مدینہ میں آنے کا موقعہ ہی نہ دیا اور انہیں سیدھا ایران اور روم کی لڑائیوں پر روانہ کر دیا گیا۔ عام لام بندی ہوئی۔ اب وہ خلافت کے حق و ناحق ہونے کی بحث بھی بھول گئے انصار و مہاجر کی مخالفت بھی ختم ہو گئی۔ ابوسفیان جیسے خود غرض لوگوں کو بھی اپنی اولاد کو فتوحات کے دروازہ سے قصرِ حکومت میں پہنچانے کا موقعہ مل گیا۔ مخالفتیں اور لغاوتیں بھی ختم ہو گئیں۔ اور مالِ غنیمت نے سب کے منہ پر مہرِ سکوت لگا دی۔ یہ فوج کشی ایک سیاسی تدبیر تھی جس سے ہنگامی حالات میں قائم ہونے والی متزلزل حکومت کو ہر دلعزیزی اور استحکام حاصل ہوا۔

انسانی حاکمیت کی لڑائیوں کی غرض و غایت

حضرت ابی بکر کی خلافت میں جن لڑائیوں کا آغاز ہوا ان کی حقیقی اغراض یہ تھیں:۔

۱۔ لوگوں کو حکومت پر تنقید اور تبصرہ کا موقعہ نہ دیا جائے۔ اور ان کی نکتہ چینی کی زبان پر مہرِ سکوت ثبت کر دی جائے۔

۲۔ اربابِ حکومت عوام کی نظروں میں ہر دلعزیز ہو جائیں اور ان کے مذہبی اور ملکی وقار کا سکہ عوام کے دلوں میں بیٹھ جائے۔

۳۔ مالِ غنیمت سے لوگوں کی زبان بندی کر دی جائے۔ اور وہ ذاتی مفاد کے پیشِ نظر دینی و مذہبی نفع و نقصان کو سوچ ہی نہ سکیں۔

۴۔ جو لوگ جاہ طلب اور حصولِ اقتدار کے خواہاں ہیں انہیں حصولِ اقتدار کے مواقع بہم پہنچائے جائیں اور اس طرح ان کے ذریعہ برسرِ اقتدار پارٹی کو مضبوط کیا جائے۔

۵۔ ان ساری تدابیر سے حکومت کو محفوظ اور مستحکم کر لیا جائے۔

۶۔ اس ہنگامہ آرائی میں حزبِ اختلاف کی طرف لوگوں کو متوجہ ہی نہ ہونے دیا جائے۔

بعض مورخوں نے ان اغراض سے اختلاف کیا ہے، ان کے دلائل پر نقد و تبصرہ

۱۔ بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ اسلام نے یک لخت عرب کی ساری فطرت بدل کر انہیں اتنا بلند و برتر کر دیا تھا کہ وہ جبلتِ جدلیہ اور مالِ غنیمت کی طمع میں جنگ و جدل میں پڑنے والے نہیں تھے ان مورخین کا یہ نظریہ حقائق کے خلاف ہے۔ چنانچہ علامہ مشرقی فرماتے ہیں :-

"اسلام اور قرآن نے عربوں کی جبلت اور طینت کو نہیں بدلا تھا۔ وہ عادتیں اور خصلتیں جو ان کی فطرت میں ہزار دو ہزار برس پہلے سے چلی آتی تھیں کس طرح چشم زدن میں ان سے رخصت ہو کر اپنا نقش پا نہ چھوڑتیں۔ وہ ملی اوصاف جو قرون اور صدیوں پہلے ان کے مٹی میں خمیر ہو چکے تھے ان کے طبعی میلان کار کو کیسے بے اثر چھوڑ دیتے قرآن اور اسلام

کی تعلیم سے عرب اپنی ظاہری عبادات اور رسومات کو بدل سکتے تھے۔ اپنے آبائی روایات اور اعتقادات کو بادی النظر میں بدل سکتے تھے۔" (تذکرہ مقدمہ صت ۶۷، صت ۶۸)

اسلام کے لانے کے بعد بھی مالِ غنیمت کی طمع میں عرب ممتاز تھے۔ غزوۂ حنین ۸ھ میں واقعہ ہوا تھا۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کو شکست مالِ غنیمت کے شغف کی وجہ سے ہوئی۔ کیونکہ مسلمان غنیمت کے لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ صحیح بخاری میں غزوۂ حنین کے ذکر میں ہے۔ فاقبلوا المسلمون علی الغنائم واستقبلونا بالسہام۔ یعنی بس مسلمان غنیمت پر ٹوٹ پڑے اور کافروں نے ہم کو تیروں پہ رکھ لیا۔

حنین زمانہ رسالت کے آخری غزوات میں سے ایک غزوہ ہے کیا اس سے عربوں کے مالِ غنیمت کے جذبہ میں فرق معلوم ہوتا ہے کیا اس لحاظ سے ان کی طینت میں کوئی نمایاں تغیر دکھلائی دیتا ہے جناب رسالتمآبؐ نے خالد بن ولید کو بنو جذیمہ کی طرف محض تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا اور خاص طور سے ہدایت کر دی کہ لڑنا نہیں۔ بنو جذیمہ مسلمان ہو گئے۔ کلمہ پڑھنے لگے۔ لیکن مالِ غنیمت کے لالچ میں حضرت خالد نے ان کو قتل کرا دیا۔ اور مالِ غنیمت لوٹ لیا۔ جب وہ واپس آئے تو جناب رسالتمآبؐ ان پر بہت ناراض ہوئے۔ تین دفعہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ اے خدا

خالد نے جو کچھ کیا میں اس سے بری ہوں[1]

اس واقعہ کے بعد حضرت خالد کے قتل مالک بن نویرہ پر غور کیجئے۔ کیا اس واقعہ سے عربوں کے لوٹ مار کے شغف میں کوئی کمی محسوس ہوتی ہے؟ کیا ان کی جبلت جدلیہ میں کوئی تغیر ہے؟

۲۔ کہا جاتا ہے کہ رومی اور ایرانی سلطنتوں کے پاس حضرت ابوبکر سے زیادہ ذرائع موجود تھے۔ افواج اور اسلحہ زیادہ تھے۔ وہ ان حالات میں ہر دلعزیزی کے لیے ان دونوں سلطنتوں کے لڑانے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔

زمانہ رسالت میں اسلامی حکومت کے ذرائع بھی بہت بڑھ چکے تھے۔ خیبر کی فتح کے بعد مسلمانوں میں ایک عظیم الشان معاشی انقلاب آ چکا تھا۔ خیبر کی فتح سے مسلمانوں کو مال کثیر ہاتھ لگا تھا۔ اور خیبر کی فتح سے مرعوب ہو کر جو یہودی نوآبادیاں تیما، فدک اور وادی القریٰ مسلمانوں کے ہاتھ آئی تھیں بہت زرخیز تھیں۔ گویا علوی سیاست سے جو مفاد اسلامی سلطنت کو پہنچا تھا اس سے حضرت ابوبکر فائدہ اٹھا رہے تھے۔

جناب رسالت مآب نے مسلمانوں میں ایک ایسا جذبہ پیدا کر دیا تھا کہ وہ قلت میں بھی کثرت کو شکست دے سکتے تھے۔ اور بے سروسامانی میں بھی کثیر الاسلحہ افواج پر غالب آتے تھے۔ جیسا کہ

---

[1] تاریخ طبری الجزء الثالث صفحہ ۱۲۴، سیرۃ النبی شبلی حصہ اول جلد اول صفحہ ۳۸؁

غزوات زمانہ رسالت سے ظاہر ہے۔ حضرت ابوبکر کو رسالت مآب کے
اس پیدا کردہ جذبہ پر بھروسہ تھا۔ جس کے پیش نظر انہوں نے یہ اقدام
کیا۔

سرکار رسالت کے زمانہ میں غزوۂ تبوک میں اگرچہ لڑائی نہ ہوئی تھی
مگر فوجی مظاہرہ سے مسلمانوں کی جرأتیں بڑھ چکی تھیں۔ اور حضرت ابوبکر
کو اس کا احساس تھا اور یہی احساس اس جرأت کا موجب ہوا۔ ذرائع
کی فراوانی کے باوجود رومی اور ایرانی سلطنتوں میں اندرونی خلفشار تھا
یہی امر حملہ کی جرأت کا باعث ہوا۔

ممالک خارجہ میں لشکر کشی کا موجب سیاسی مصالح تھے۔ چنانچہ
حضرت ابوبکر کا مہم شام میں خالد بن سعید اموی کو سرداری کی پیشکش
فرمانا اور ان کے گھر پر علم بھیجنا ان کی مخالفت کو دور کرنے کے لیے
تھا۔ اور اسی طرح ابوسفیان کی اولاد کو جنہیں سرکار رسالت نے
ذمہ دارانہ فرائض سپرد کرنا کبھی گوارا نہ کیا مہم شام میں شامل کرنا اس
مخالفت کے ازالہ کے لیے تھا جس پر وہ کمربستہ تھا۔ جسے علیؑ نے
دشمن اسلام سمجھ کر ٹھکرایا تھا۔ اس کی اولاد کو ان مہمات میں فوجی مناصب
پر سرفراز فرمانا اور پھر مفتوحہ علاقہ پر مسلط کرنا ان اغراض کو نمایاں کر
رہا ہے جو حضرت ابوبکر کی خارجہ حکمت عملی میں پنہاں تھیں۔

مہمات عراق اندرونی خلفشار اور مخالفتوں کو دبانے کے بعد
حضرت ابوبکر نے اپنے لشکروں کو عراق و شام کی فتح

کے لیے روانہ کیا۔ خالد بن ولید محرم سنہ ۱۲ھ (۶۳۴ء) کو عراق کی مہم کے لیے مامور ہوئے اور قعقاع بن عمرو ان کے اسسٹنٹ مقرر ہوئے۔ ان دونوں جرنیلوں کو حکم ہوا کہ سرحدِ ایران کے مشہور مقام رملہ کی طرف سے عراق پر فوج کشی کریں۔ دوسری طرف سے عیاض بن غنم اور عبد یغوث حمیدی مامور ہوئے کہ مضیح کے مقام کی طرف سے حملہ کریں۔

خالد بن ولید نے رملہ کے گورنر کو لکھا کہ یا تو مسلمان ہو جاؤ ورنہ جزیہ ادا کرو۔ اگر ان دونوں شرطوں میں سے تمہیں کوئی منظور نہیں تو پھر تم پر وہ قوم حملہ آور ہوگی جو موت کی اس طرح شیدائی ہے جس طرح تم لوگ زندگی کو عزیز سمجھتے ہو۔ رملہ کے گورنر نے یہ خط کسریٰ ایران کی مرکزی حکومت کو بھیج دیا اور خود لڑائی کی تیاریاں کرنے لگا۔ شاہِ ایران نے اس خط کو پڑھ کر اپنی فوجوں کو بھی لڑائی کے لیے حکم دے دیا۔

کاظمہ کی لڑائی

مسلمانوں اور ایرانیوں میں سب سے پہلی ٹکر کاظمہ کے مقام پر ہوئی۔ رملہ کا گورنر ہرمز قتل ہوا۔ اور ایرانیوں کے قدم اکھڑ گئے۔ خالد کی طرف سے مثنیٰ بن حارثہ ان کے تعاقب پر مامور ہوا۔

جنگِ ثنی

کاظمہ میں شکست کھانے کے بعد شاہِ ایران نے ایک تازہ دم فوج مسلمانوں کے خلاف بھیجی۔ اس فوج کا کمانڈر قارن تھا۔ خالد مقابلہ کے لیے ثنیٰ کے مقام پر پہنچے۔ گھمسان کا رن پڑا۔ ہزاروں ایرانی تہ تیغ کر دیے گیے۔ قارن مارا گیا اور ایرانی افواج شکست

کھا کر پسپا ہوئیں۔

ولجہ کی لڑائی کسریٰ نے دو نامور جرنیلوں "اندوزگر" اور "بہمن جادویہ" کی کمانڈ میں مسلمانوں کے مقابلہ میں فوجیں روانہ کیں۔ ولجہ کے مقام پر لڑائی ہوئی۔ ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی۔ اندوزگر مارا گیا اور بہمن نے راہِ فرار اختیار کی۔ اسی اثنا میں عیسائی عرب ایرانی جرنیل "جلبان" کے ماتحت مقابلہ کے لیے آ ڈٹے، مگر مسلمانوں نے انہیں بھی شکست دے کر بھگا دیا۔

الیس کی لڑائی جابان عرب عیسائیوں کو لے کر پھر میدان میں آ ڈٹا لیکن اس نے الیس کے مقام پر منہ کی کھائی اور راہِ فرار اختیار کی۔

تسخیر حیرہ حیرہ عراق کے عرب رئیسوں کا مرکز تھا۔ خالد حیرہ کی طرف بڑھے اہلِ حیرہ نے بغیر لڑے صلح کر لی۔ ان کے سردار عمرو بن عبدالمسیح نے ایک لاکھ نوّے ہزار درہم جزیہ ادا کیا۔ گرد و نواح کے رئیسوں نے بھی ایسی ہی شرائط پر صلح کر لی۔ اور بیس لاکھ درہم ادا کرنا منظور کیا۔

خالد کا کسریٰ اور رؤسائے ایران کے نام خط خالد نے ان فتوحات کے بعد شاہِ ایران اور سردارانِ ایران کے نام خط لکھا کہ تم لوگ ہماری اطاعت قبول کرلو ورنہ ہماری تلواریں جنگ کے لیے بے چین ہیں۔ شاہِ ایران "اردشیر" اس خط کے پہنچنے سے پہلے مر چکا تھا اور ایران میں خانہ جنگی (بعد حاشیہ)

شروع ہو چکی تھی مگر مسلمانوں کے اس اعلانِ جنگ پر ان کی باہمی جنگ بند ہو گئی۔ انہوں نے متحدہ طور پر امیر فرخ زاد کو بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اور مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس لیے مسلمانوں کو پھر عراق کی مہم کو شروع کرنا پڑا۔

جنگ انبار

خالد انبار پر حملہ آور ہوا تو وہاں کے حاکم "شیر زاد" نے شہر کے گرد ایک گہری خندق کھود رکھی تھی۔ مسلمانوں نے اپنے اونٹ ذبح کر کے خندق میں ڈال دیے اور اس طرح خندق کو پُر کر کے شہر میں داخل ہوئے۔ شیر زاد نے مقابلہ کی تاب نہ لا کر صلح کر لی۔

عین التمر کی لڑائی

انبار کو فتح کر کے مسلمان عین التمر پر حملہ آور ہوئے ایرانیوں نے عیسائی عربوں کو مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے آگے کر دیا۔ مگر انہیں شکست ہوئی اور عین التمر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا

دومۃ الجندل کی فتح

دومۃ الجندل شمالی عراق میں ہے۔ عیاض بن غنم اس کی فتح کے لیے مامور ہوئے تھے۔ عین التمر کی لڑائی سے فارغ ہو کر خالد ان کی کمک کے لیے پہنچ گئے وہاں کا حاکم اکیدر شہر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ لیکن اس کا ساتھی "جودی" مقابلہ کرتا رہا مگر اسے بھی شکست ہوئی اور وہ لڑائی میں مارا گیا۔ لیکن جب خالد عین التمر میں لوٹ آئے تو پھر اہلِ شہر باغی ہو گئے۔ خالد نے پھر انہیں شکست دی اور اسی طرح مفیح کے قبیلوں نے شکست کھائی۔

جنگِ فراض

اس جنگ میں عیسائی عربوں، ایرانیوں اور رومیوں نے

متحد ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا مگر انہیں شکست فاش ہوئی اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

مہماتِ شام

حضرت ابوبکر نے فتح شام کے لیے چار لشکر روانہ کیے ابو عبیدہ بن الجراح کو حمص روانہ کیا۔ عمرو بن عاص کو فلسطین پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔ یزید بن ابی سفیان کو سیاسی مصلحت کی بنا پر شام بھیجا شرجیل بن حسنہ کو اردن روانہ کیا۔

جنگِ اجنادین ۲۸ جمادی الاول ۱۳ھ - ۳۱ جولائی ۶۳۴ء

اس لڑائی میں مسلمانوں کی فوج کی تعداد چالیس ہزار تھی اور رومی فوج ایک لاکھ چالیس ہزار۔ اجنادین کے مقام پر جنگ ہوئی۔ آخر اس جنگ میں رومیوں کو شکست ہوئی اور انہوں نے بیت المقدس کی راہ لی۔ اس لڑائی میں تین ہزار مسلمان کام آئے۔ ہرقل نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے دو لاکھ چالیس ہزار فوجیوں کو وادیٔ یرموک میں بھیجا۔ مسلمانوں کے چاروں لشکر دشمن کی کثرت دیکھ کر متحد ہو گئے۔ دونوں فوجیں واقوصا کے مقام پر جمع ہوئیں۔ خالد بھی کمک لے کر یرموک پہنچ گئے۔

جنگِ یرموک

اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد چھتیس ہزار تھی۔ مسلمانوں کے چاروں لشکروں نے خالد کی سرداری میں متحد ہو کر لڑائی شروع کی۔ خالد نے لشکر کو چالیس دستوں میں تقسیم کر کے مناسب مقامات پر تعین کر دیا۔ گھمسان کا رن پڑا۔ رومیوں کے

پاؤں اکھڑ گئے۔ اور وہ واپس بھاگ پڑے ان کے پیچھے پہاڑ تھا۔ اس لیے وہ پریشان ہو کر دریا کی طرف پلٹے۔ اس طرح ہزاروں رومی دریا میں غرق ہو گئے۔ اس جنگ میں ایک لاکھ بیس ہزار رومی دریا میں ڈوبے تین ہزار مسلمان میدانِ جنگ میں کام آئے[1] جنگ جاری تھی کہ حضرت ابوبکر کا انتقال ہو گیا۔ حضرت عمر نے خلیفہ ہوتے ہی خالد کو معزول کر دیا اور ابو عبیدہ بن الجراح کو فوج کا کمانڈر مقرر کر دیا۔

سوالات

۱۔ ثابت کرو کہ حضرت ابوبکر کے زمانے میں حکومت کو مخالفت سے بچانے کے لیے عربوں کو جنگ و جدل میں مصروف کر دینا ضروری تھا۔ ان اسباب کو بھی بیان کرو جو اختلال سلطنت کا سبب تھے۔

۲۔ عربوں کی دو دو خصوصیتیں کیا تھیں جن سے ارباب حکومت نے فائدہ اٹھایا۔

۳۔ صدر اول یعنی زمانہ خلفائے ثلاثہ کی لڑائیوں کے اغرض و مقاصد کیا تھے؟

۴۔ بعض مورخوں نے ان اغراض سے اختلاف کیا ہے

---

[1] تاریخ طبری

ان کے دلائل لکھ کر اس پر تنقید کرو۔

۵۔ مہم عراق پر روشنی ڈال کر کاظمہ، ثنیٰ اور ولجہ کی لڑائیوں کے واقعات بیان کرو۔

۶۔ الیس کی لڑائی اور تسخیر حیرہ کو بیان کرکے لکھو۔ کہ حیرہ کے سردار نے صلح پر کس قدر جزیہ کی رقم ادا کی؟

۷۔ خالد بن ولید نے شاہِ ایران اور سردارانِ ایران کو اپنے خط میں کیا لکھا؟ اس خط سے انسانی دماغ کیا اثر لے گا؟

۸۔ جنگِ انبار میں مسلمانوں نے کس طرح فتح حاصل کی؟

۹۔ دومۃ الجندل کس طرح فتح ہوا؟

۱۰۔ واقعہ جنگِ فراض بیان کرو۔

۱۱۔ مہم شام کے لیے حضرت ابوبکر نے کن کن لوگوں کی سرداری میں لشکر روانہ کیے۔ اور ہرقل نے ان کے مقابلہ میں کس قدر فوج روانہ کی۔ اور مسلمانوں نے اس مہم کے لیے کیا پروگرام مرتّب کیا؟

۱۲۔ اجنادین کی لڑائی اور اس کا نتیجہ لکھ کر بتلاؤ

کہ اس جنگ میں کتنے مسلمان کام آئے؟

۱۳۔ جنگِ یرموک میں مسلمانوں کی تعداد کیا تھی؟ خالد نے لشکروں کو کس طرح ترتیب دیا۔ اس جنگ میں کس قدر مسلمان کام آئے اور کتنے رومی مارے گئے؟

۱۴۔ جنگ جاری تھی کہ کیا اہم واقعہ پیش آیا۔ اور اس کا مہم شام پر کیا اثر پڑا؟

چودہواں باب

حضرت ابوبکر کی آخری علالت

حضرت عمر کو سلطنت سپرد کرنا اور آپ کی وفات

آخری علالت

جمادی الثانی ۱۳ھ میں حضرت ابوبکر بیمار ہوئے۔ پندرہ دن بخار میں مبتلا رہے، بڑھاپے میں بیماری سے آپ بہت کمزور ہو گئے تھے۔ جب آپ کو اپنی زندگی کی امید نہ رہی تو آپ کو اپنے جانشین کے تقرر کی فکر دامنگیر ہوئی۔ ان کے برسر اقتدار آنے میں جو خدمات حضرت عمر نے انجام دی تھیں وہ ان کے پیش نظر تھیں اس لیے انھوں نے اپنے خفیہ معاہدہ کے مطابق اقتدار اعلیٰ ان کے سپرد کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

حضرت ابوبکر کا حضرت عمر کے لیے وصیت نامہ

جب حضرت ابوبکر دنیا سے انتقال فرمانے لگے تو حضرت عثمان کو تنہائی میں بلا کر وصیت نامہ لکھوانے لگے

لفظ اما بعدہی فرمایا تھا کہ بے ہوش ہو گئے۔ حضرت عثمان نے خود لکھ دیا۔ "میں نے تم پر عمر کو خلیفہ کیا" حضرت ابو بکر جب ہوش میں آئے تو پڑھوایا۔ سنکر کہا، اللہ اکبر تم ڈر گئے کہ میں ختم نہ ہو جاؤں۔ حضرت عثمان نے کہا ہاں[1]

پھر حضرت ابو بکر نے وہ وصیت نامہ اپنے غلام اور حضرت عمر کے ساتھ لوگوں کی طرف بھیجا، حضرت عمر ڈنڈا لیے لوگوں سے کہہ رہے تھے خلیفہ رسول ﷺ کا حکم سنو اور مان لو۔

حضرت عمر وہ وثیقہ لے کر لوگوں کے پاس گئے تو ایک شخص نے پوچھا اے حفصہ کے باپ اس میں لکھا گیا ہے؟ کہا معلوم نہیں، لیکن سب سے پہلے اس حکم کا ماننے والا میں ہوں۔ اس شخص نے کہا تم کو نہ معلوم ہو، لیکن خدا کی قسم میں جانتا ہوں۔ کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ پار سال تم نے ان کو خلیفہ بنایا اس سال انہوں نے تم کو خلیفہ بنا دیا[3]

حضرت عمر کے تقرر سے مسلمانوں کی پریشانی

یہ عجیب بات ہے کہ جب حضرت ابو بکر نے حضرت عمر کو خلیفہ بنایا تو تمام مسلمانوں میں اضطراب و بیقراری کی لہر دوڑ گئی۔ ساری تاریخ کا مطالعہ کیجیے کسی خلیفہ کے تقرر پر خواہ وہ خلفائے اربعہ سے ہو یا خلفائے بنی امیہ یا خلفائے بنی عباس سے مسلمان

---

[1] طبری جلد ۴ صـ ۵۲ - [2] طبری جلد ۴ صـ ۵۲ کامل جلد ۲ صـ ۱۶۲

[3] کتاب الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ صـ ۳۳ طبری جلد ۴ صـ ۵۴

اس قدر پریشان نہیں ہوئے جس قدر حضرت عمر کے خلیفہ بننے پر ہوئے ہیں

حضرت طلحہ کے تاثرات

حضرت طلحہ جو عشرہ مبشرہ سے ہیں حضرت عمر کے تقرر کی خبر سن کر حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور کہا تم نے حضرت عمر کو لوگوں کا حاکم اور اپنا خلیفہ بنا دیا ہے۔ حالانکہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ جب تم موجود تھے تو مسلمانوں نے ان کے ہاتھ سے کیا کیا مصیبتیں جھیلیں۔ پھر جب تم اپنے پروردگار کے پاس جاتے ہو اور ان کو میدان خالی ملتا ہے تو وہ کیا کچھ نہ کر ڈالیں گے۔ خدا تم سے تمہاری رعیت کے بارے میں ضرور ہی سوال کرے گا۔[۱]

مہاجرین و انصار کا وفد اور ان کی فریاد

مہاجرین و انصار کو جب خبر ملی کہ حضرت عمر خلیفہ بنا دیئے گئے تو وہ سب کے سب دوڑے ہوئے حضرت ابوبکر کے ہاں آئے اور فریاد کرنے لگے۔ کہا ہم دیکھتے ہیں کہ تم نے ہم پر عمر کو خلیفہ مقرر کر دیا ہے۔ حالانکہ تم ان کو خوب پہچانتے ہو۔ اور ان کے سب بوائق (سختیوں) سے بھی اچھی طرح واقف ہو جو تمہارے زمانہ میں وہ کرتے تھے۔ پھر جب تم ان کو خلیفہ بنا کر چلے جاؤ گے تو وہ کیا کچھ نہیں کر ڈالیں گے۔ تم اللہ سے ملو گے اور وہ تم سے اس کی باز پرس کرے گا تو اس کو کیا جواب دو گے؟[۲]

۱۔ ۵ کتاب الامامۃ والسیاسۃ صہ ۳۲

طلحہ وزبیر کا اظہارِ خیال

طلحہ وزبیر نے حضرت ابوبکر سے کہا جب تم عمر کو ہم پر باوجود اس کی سخت مزاجی کے خلیفہ مقرر کرتے ہو تو اپنے پروردگار کو کیا جواب دو گے۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ طلحہ نے کہا، تم ہم پر فظ غلیظ (تند مزاج) کو خلیفہ بناتے ہو، جب تم اپنے پروردگار سے ملو گے تو اس کو کیا جواب دو گے۔ اس پر حضرت ابوبکر نے اپنے لوگوں سے کہا۔ تم لوگ ذرا مجھے سہارا تو لگا دینا۔ لوگوں نے ان کو بٹھایا تو کہا۔ تم مجھے خدا سے ڈراتے ہو۔ جاؤ میں خدا کو جواب دے دوں گا۔ کہ میں نے اس شخص کو ان کا حاکم بنایا جو تیرے اہل میں سب سے اچھا تھا[1]

حضرت ابوبکر کی وفات

۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ کو (مطابق ۲۲ اگست ۶۳۴ء) پیر کے دن ۶۳ سال کی عمر میں مغرب اور عشا کے درمیان حضرت ابوبکر نے انتقال کیا[2]

حضرت ابوبکر کی اولاد

حضرت ابوبکر کے تین صاحبزادے تھے۔ عبداللہ بن ابی بکر، جن کی ماں قتیلہ تھیں، عبدالرحمٰن بن ابی بکر جنکی ماں ام رومان تھیں اور محمد بن ابی بکر جن کی ماں اسما بنت عمیس تھیں۔ ان کے علاوہ تین بیٹیاں تھیں۔ ام المومنین بی بی عائشہ جو رسول اللہ کے عقد میں آئیں۔ وہ ام رومان کے بطن سے تھیں۔ اسماء جو حضرت زبیر کی زوجہ تھیں قتیلہ کے شکم سے تھیں اور ام کلثوم حبیبہ بنت خارجہ سے پیدا ہوئیں[3]

---

[1] تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۲۴۹ [2] تاریخ ابوالفدا، [3] تاریخ خمیس

حضرت ابوبکر کے عمّال

حضرت ابوبکر کی طرف سے مندرجہ ذیل حضرات گورنر تھے :۔

مکہ کے گورنر ۔ عتاب بن اسید
طائف کے گورنر ۔ عثمان بن العاص
یمامہ کے گورنر ۔ ایک مرد انصاری
عمان کے گورنر ۔ حذیفہ بن محض
بحرین کے گورنر ۔ علاء بن الحضرمی
شام کے گورنر ۔ خالد بن ولید

بصرہ کے گورنر ۔ سوید بن قطبہ
صنعاء کے گورنر ۔ مہاجر بن ابی امیہ
خولان کے گورنر ۔ یعلیٰ بن امیہ
جند کے گورنر ۔ معاذ بن جبل
حضرموت کے گورنر ۔ زیاد بن لبید
زبید کے گورنر ۔ ابوموسیٰ اشعری
جرش کے گورنر ۔ عبداللہ بن ثور
نجران کے گورنر ۔ جریر بن عبداللہ بجلی [1]

---

[1] تاریخ ابن الواضح و تاریخ خلافت اسلامیہ

سوالات

۱۔ حضرت ابوبکر کی آخری علالت کے حالات بیان کرو۔

۲۔ حضرت ابوبکر کی آخری وصیت کیا تھی اور وہ کس طرح مرتب کی کے لوگوں کے پاس بھیجی گئی اور لوگوں نے بغیر پڑھے اس وصیت سے کیا سمجھا؟

۳۔ حضرت عمر کو خلیفہ بنانے کا لوگوں پر کیا اثر پڑا؟

۴۔ اس واقعہ پر حضرت طلحہ کے تاثرات بیان کیجئے۔

۵۔ مہاجرین اور انصار کا جو وفد حضرت ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے کیا فریاد کی؟

۶۔ تقرر حضرت عمر پہ طلحہ و زبیر نے کیا خیال ظاہر کیا اور حضرت ابوبکر نے اس کا کیا جواب دیا؟

۷۔ حضرت ابوبکر کی وفات بیان کر کے ان کے ازواج و اولاد کے متعلق لکھو۔

۸۔ حضرت ابوبکر کے زمانہ میں کس صوبہ کا کون گورنر تھا؟